کے معانی و مطالب تو بیان کئے جا سکتے ہین، لیکن اس کی شاعری کے صوری اور لفظی محاسن زائل ہو جاتے ہین، اس لئے عام طور سے اس قسم کی کوشش کامیاب نہین ہوتی، تاہم فاضل مترجم کا بیان ہے کہ ترجمہ مین انھون نے کافی احتیاط مدنظر رکھی ہے، اور ایک غیر زبان مین ترجمہ کی دقتون کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الوسع اقبال کے خیالات کی پوری ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا انگریزی مین ترجمہ کر کے اقبال کا فلسفۂ خودی اہلِ مغرب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، امید ہے کہ زیر نظر کے اس انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے وہ اقبال کے دوسرے افکار و تصورات کے سمجھنے کی کوشش کرین گے، اور لائق مترجم کی یہ محنت مشکور ہوگی،

ارمغان آلام از جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقیات صوبہ بہار تقطیع چھوٹی ضخامت: ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، پتہ: نظامی پریس بدایون،

فاضل مؤلف سیاسیات کے ساتھ علم و ادب کا بھی سنجیدہ اور ستھرا مذاق رکھتے ہین، جس سے اصحابِ علم واقف ہین، قلعہ احمد نگر کی اسیری کی تنہائی مین انھون نے اردو فارسی اور کچھ عربی اور ہندی کے پسندیدہ اشعار کا انتخاب کیا تھا، اور نثر مین بھی اپنے بعض خیالات و تاثرات قلبند کئے تھے، جس کو نظامی پریس بدایون نے بیاض کے طور پر شائع کر دیا ہے، اس کی تحریر کے وقت اس کی اشاعت کا کوئی خیال نہین تھا، اس لئے اشعار مین کوئی ترتیب نہین ہے، اشعار کی پسند کا تعلق انفرادی ذوق سے ہے، یہ ضروری نہین ہے، کہ ایک شخص کا انتخاب دوسرے کے لئے بھی پسندیدہ ہو، لیکن مجموعی حیثیت سے اس انتخاب مین مصنف کا حسن مذاق نمایان ہے، نثر کا حصہ اگرچہ برائے نام ہے تاہم اس سے بھی مصنف کے افکار و تصورات کا اندازہ ہوتا ہے،

(م)

جلد ۶۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۹ء عدد ۶

مضامین

شذرات

افسوس ہو کہ گذشتہ مہینہ جماعت اہلحدیث کے مشہور و ممتاز عالم اور نامور مناظر مولانا محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی نے ۶۰ سال کی عمر مین انتقال کیا، مرحوم کی ساری عمر دین و علوم دینیہ کی خدمت مین گذری، مدرسہ سعیدیہ بنارس مین چالیس سال تک حدیث نبوی کا درس دیا، جو اُن کی سب سے بڑی فضیلت ہی، درس و تدریس کے ساتھ وعظ و تبلیغ اور تالیف و تصنیف کا شغل بھی تھا، لیکن اُن کی بیشتر تصانیف مناظرانہ ہین، آریون، عیسائیون اور قادیانیون سے بڑے معرکہ کے مناظرے کئے، احناف سے بھی اسکی نوبت آجاتی تھی، ادھر چند برسون کے اندر ان پر فالج کے کئی ہلکے حملے ہوئے، جس سے اُن کی صحت بگڑ گئی تھی، اس کے باوجود اُن کے علمی و تعلیمی مشاغل جاری تھے، کہ گذشتہ ۵ر دسمبر کو جمعہ کے دن یکایک حملہ ہوا اور چند گھنٹون کے اندر قال اللہ و قال الرسول کی یہ آواز ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی، مرحوم کے انتقال سے ہندوستان کے طبقہ علماء مین ایک ممتاز جگہ خالی ہو گئی، اللھم اغفرہ مغفرۃ واسعۃ،

دوسرا قومی حادثہ مدراس کے مشہور اور مخیر سیٹھ جمال محمد کی وفات ہی، مسلمانون مین صاحب ثروت تاجرون کی کمی نہین، لیکن مرحوم کے اوصاف و خصوصیات کی مثال مشکل سے ملیگی، دولت دنیا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دینداری کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، اور ان کا دل ملک و ملت کی محبت سے بھی معمور تھا، انھون نے بڑی دولت پیدا کی اور اسی فیاضی سے اس کو قوم و ملک کی راہ مین صرف کیا، ہندوستان مین مسلمانون کی کوئی ایسی تحریک نہین تھی جس مین اُن کی امداد شامل نہ رہی ہو، مذہبی اور تعلیمی کامون سے خصوصیت کیساتھ بڑی

دلچسپی تھی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار العلوم دیوبند، مدرسۃ العلوم علی گڈہ (مسلم یونیورسٹی) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جامعہ ملیہ اور اس قسم کے تمام دوسرے ادارون کے وہ معاون و مددگار تھے، شہر مدراس اور اس کے مضافات مین کئی عربی مدرسے اپنے صرف سے چلاتے تھے، مدراس مین انگریزی خوان مسلمان طالب علمون کے لئے ایک ہوسٹل بنوایا جس مین اُن کی مذہبی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام تھا، سیکڑون غریب طالب علمون کو وظائف دیتے تھے، حضرۃ الاستاذ مدظلہ کے خطبات مدراس، محمد مارماڈیوک پکتھال اور سر اقبال مرحوم کے انگریزی خطبات بھی مرحوم ہی کے جذبہ دینی کی یادگار ہین،

مرحوم کو سیاسی کامون سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت مین اُن کا بڑا حصہ تھا، اس مین انھون نے یکمشت ایک لاکھ کا عطیہ دیا تھا، ایک زمانہ تک کانگریس کے بھی سرگرم رکن رہے، لیکن پھر سیاست سے الگ ہو گئے تھے، اپنی زندگی مین انھون نے لاکھون روپیے دین و ملت کی راہ مین خرچ کئے، مدراس مین اُن کا دولتکدہ اہل حاجت کا ملجا و ماویٰ تھا، لیکن اس دولت و ثروت کے ساتھ خود اُن کی زندگی نہایت سادہ تھی، ادھر چند برسون سے ان کا کاروبار بگڑ گیا تھا، لیکن اس حالت مین بھی جو پہلے کے مقابلہ مین گویا غربت کی حالت تھی، اُن کی فیاضی مین فرق نہین آیا، افسوس ہو کہ ۹ر نومبر کو اس محسن قوم کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ اُن کے حسنات کے طفیل مین عالم آخرت کی تونگری عطا فرمائے،

حکومت افغانستان حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن پاک اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حاشیہ موضح الفرقان کا فارسی ترجمہ مع متن قرآنی بڑے اہتمام سے شائع کر رہی ہے، یہ ترجمہ و تفسیر تین جلدون مین ہی، دس دس پارون کی ایک جلد ہے، اس کی پہلی جلد کئی سال ہوئے شائع ہوئی تھی، اور دار المصنفین مین ہدیۃً آئی تھی، اب دوسری جلد موصول ہوئی ہے، غالباً تیسری جلد بھی جلد شائع ہو، اللہ تعالیٰ حکومت افغانستان کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے،

ہمارے رفیق سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے بزم صوفیہ کے نام سے ہندوستان کے قدیم صاحب تصنیف صوفیاے کرام کے حالات مین ایک کتاب لکھی ہے، اردو مین صوفیہ کے تذکروں کی کمی نہین، لیکن وہ عموماً کشف وکرامات کے حالات پر مشتمل ہین، بزم صوفیہ تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے، اور اس مین صوفیاے کرام کی مذہبی وعلمی زندگی، اُن کے اخلاق وسیرت اور تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے اس موضوع پر اردو مین اس نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی، یہ کتاب قریب قریب چھپ کر تیار ہو گئی ہے امید ہے کہ اس مہینہ کے آخر تک شائع ہو جائیگی،

اردو زبان کی موجودہ حالت کا اس کے حامیون کو پورا احساس ہے، اور اُن کے دل مین اسکی بقا و ترقی کا جذبہ بھی ہے لیکن ابھی تک، اس کے لئے کوئی عملی قدم نہین اٹھایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اردو کے اصحاب علم و قلم کم از کم اس کی بقا و ترقی کے ذرائع پر اپنے خیالات پیش کرین تاکہ اردو کے عام ہمدردون کے سامنے بھی اس کے سب پہلو آجائین، اس کے لئے معارف کے صفحات حاضر ہین، اردو کے اصحاب فکر ادیبون کو خصوصیت کے ساتھ اس کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے،

گذشتہ مہینہ ارکان دار المصنفین کی درخواست پر بزرگ محترم مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہ تشریف لائے تھے لیکن فرصت کی قلت کی بنا پر موصوف کا قیام مختصر رہا، تاہم اس مختصر قیام مین رفقا کے کامون کو ملاحظہ اور مفید علمی مشورون سے مستفید فرمایا، حضرت الاستاذ مدظلہ حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے، اور وہان عام معمول سے کچھ زیادہ قیام کا ارادہ تھا، اس لئے ابھی تک ان کی واپسی کی کوئی اطلاع نہین ہے لیکن یقین ہے کہ وسط دسمبر تک انشاء اللہ مراجعت ہو جائیگی،

مقالات

ہندوستان مین توپ کی تاریخ

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

"اس مضمون کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین شائع ہو چکا ہے مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے اصل اردو معارف مین شائع کیا جاتا ہے"، "م"

ہندوستان مین توپ ہندوستان مین توپ کا استعمال کب سے شروع ہوا، اس کے متعلق کوئی صحیح تاریخ (سنہ) نہین بتائی جا سکتی، البتہ ضیاء برنی نے محاصرۂ رنتھنبور ۶۹۹ھ کے موقع پر ایک جگہ تحریر کیا ہے،

روزے نصرت خان نزدیک حصار	ایک دن نصرت خان قلعہ کے پاس
رفتہ بود و درستن پاشیب و برآوردن گرگج	گیا ہوا تھا، اور سرکوب اور دمدمہ بنانے
جہدی کرد، واز درون حصار سنگ مغربی	کی فکر مین مشغول تھا، اور قلعہ سے سنگ
روان می داشتند، ناگاہ سنگے بر نصرت خان	مغربی برابر آرہے تھے کہ اچانک ایک
رسید و او بدان مجروح گشت[1]،	پتھر نصرت خان پر گرا جس سے وہ زخمی ہو گیا،

آگے چل کر ایک دوسری جگہ اسی واقعہ کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ جب محاصرہ مین زیادہ دن گذر گئے

---

[1] فیروز شاہی ص ۲۷۲ کلکتہ،

تو ریت بھر کر خندق کو پاٹنے کی کوشش کی گئی، اس حالت میں راجپوت اندرون قلعہ سے آگ اور پتھر برساتے تھے،

واز اطراف ممالک خیریان آوردند وخریطہ با فندہ بر لشکر قسمت نمودند وخریطہا را ریگ پر کردند، و در غار می انداختند، و وبہاٹ ہاے پاشیب می بستند، و گرگج بر می آوردند و سنگ مغربی ہا نصب کردہ بودند و بسنگ مغربی پاشیب را خراب می کردند واز بالا حصار آتش می ریختند،[1]

اطراف ممالک سے بورے اور تھیلے طلب کرکے فوج میں تقسیم کئے، ان میں ریت بھر کر غار کو پاٹنے لگے، اور ان پر سرکوب اور دمدمے تیار کئے گئے، اور سنگ مغربی نصب کئے گئے، اور اسی سے دمدمون کو خراب کرتے تھے، اور قلعہ کے اوپر سے آگ برساتے تھے،

سنگِ مغربی کی تحقیق

اس سے بہت پہلے منجنیق اور آگ کا استعمال ہندوستان میں عام ہوچکا تھا، اسلئے یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ یہ سنگ یا سنگِ مغربی کیا چیز ہے، فرشتہ نے اس کو منجنیق قرار دیا ہے، لیکن اگر واقعی یہ منجنیق ہی تھی، تو ضیاء برنی کو اس جدید لفظ کے استعمال کی کیا حاجت تھی، وہ منجنیق ہی استعمال کرسکتا تھا، جیسا کہ جابجا استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ درحقیقت یہ توپ تھی، جو چھٹی صدی ہجری میں ایجاد ہو چکی تھی، اور ساتوین صدی کے آخر اور آٹھوین صدی کی ابتدا میں، اسپین، افریقہ، مصر اور عراق میں رائج تھی، چونکہ یہ جدید آلہ اسپین اور افریقہ سے دوسرے ملکون میں رواج پذیر ہوا، اور ان ممالک کو عربی میں "ممالک مغرب" کہتے ہیں، اس لئے اس کا نام سنگِ مغربی رکھا جس کو عربی میں "مدفع" کہتے ہیں،

محمد بن عمر مکی جو عرصہ تک عرب میں مقیم رہ چکا ہے، اپنی تاریخ میں جو ۶۹۹ھ کے محاصرہ جھاین کے متعلق ہے لکھتا ہے،

[1] فیروز شاہی ص ۲۶۲،

ورتب یوماً نصرت خان ودار بالمعسكر ووقف على المدافع الملة للبرج الذي يكون فيه "هنبر ديو" وكان اذ ذاك محمد شاه في جانب منه فلما رأى نصرت خان عرفه فقال لهنبرديو ذاك الراكب فلان فما لي منك ان اصبته قال تقلدني، هذه، واشار باصبعه اليها وكانت من ذهب مرصعة بجواهر متمنة، فرمله بالمدافع فاصابه، فتمايل عن سرجه ولحق بالارض فضج اهل البرج استحسانا وفرحا بسقوط الفارس،[1]

اور ایک دن نصرت خان نے لشکر کو مرتب کیا، اور لشکر گاہ (کیمپ) یا چھاؤنی کے گرد گھوم کر اس توپ کے پاس کھڑا ہوا جو ہنبردیو کے برج کے سامنے تھا، اور اس وقت اس میں محمد شاہ موجود تھا، اُس نے جب نصرت خان کو شناخت کیا، تو ہنبردیو سے کہا کہ یہ فلان سوار ہے، اگر میں اس کو قتل کردون تو کیا انعام دوگے؟ اس نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ یہ گلوبند جو قیمتی جڑاؤ سونے کا تھا، اس نے تاک کر ایک گولہ مارا جس سے اس کا خاتمہ ہوگیا، جب وہ زین سے گر کر زمین پر آیا، تو اس کے گرنے کی خوشی میں برج والے چیخ اٹھے، اور ایک شور برپا ہوگیا،

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:-

وجد فی ارتفاع المدافع الی فتح القلعة وكن الساباط فكانت المدافع تضرب وتخرب بين الجانبين

قلعہ کو فتح کرنے کے لئے توپ اور دمدمہ کو بلندی پر لیجانے کی کوشش کرنے لگے، غرض توپین دونون طرف سے چل رہی

[1] ظفر الوالہ ص ۸۰۰ مجلد ۱ لیڈن،

ویسلط اھل القلعۃ علی تخریب	تھیں، اور نقصان پہنچا رہی تھیں، اور
الساباط وحرقہ والقاء الاعمال	قلعہ والے دمدمہ کو تباہ کرنے جلانے اور
النّاریۃ،	آگ برسانے میں زیادہ کامیاب ہو رہے تھے[1]

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فرشتہ کی طرح مصنف نے بھی غلطی کی، اور سنگ مغربی کا ترجمہ بجائے منجنیق کے مدفع کر دیا، بلکہ مورخ ضیا برنی نے جہاں منجنیق استعمال کیا ہے مصنف نے بھی منجنیق ہی لکھا ہے، چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی کے ابتدائی حالات میں لکھتا ہے،

خرج علاء الدین من کڑہ الی	علاء الدین کڑہ سے چل کر دہلی کے سامنے
ان نزل بظاھر دھلی کان قطاراً	مقیم ہوا، اور مال والوں کی صفیں اس
المال یسایرہ امامہ، والمنجنیق	کے آگے آگے رہتی تھیں، اس کے ساتھ
معہ، فمن استقبلہ من الملوک	منجنیق تھی، ملوک اور امرا میں سے جو
والامراء الجلالیۃ امر باکیاس	اس سے ملنے آتا، تو اشرفیوں کی تھیلیاں
الذھب توضع فی المنجنیق	منجنیق کے ذریعہ اس کی طرف پھینکی
ویرمی بھا الیہ[2]،	جاتیں،

مصنف عرصہ تک عرب میں رہ چکا تھا، اور سنگِ مغربی سے واقف تھا، اسی لئے اس نے صحیح ترجمہ مدفع کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

اماضیاء برنی فروی انہ رکب	ضیا برنی نے لکھا ہے کہ ایک دن وہ
یوماً الی الحصار ودنا منہ وبینھما	سوار ہو کر قلعہ کے پاس گیا، اور اس کے
یجتھدون فی رفع الساباط، اصابہ	قریب دمدمے کو بلند کرنے کی کوشش

[1] ظفر الوالہ ص ۹۹،

جو المدفع ومات بعد یومین[1]	کر رہا تھا کہ توپ کا ایک پتھر لگا اور دو دن کے بعد مر گیا،

اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گی کہ مصنف نے ضیا برنی کے سنگ مغربی، کا ترجمہ مدفع تحقیقی علم کے ساتھ کیا ہے، مصنف کے بیان کی تائید طبقات بہادر شاہی سے بھی ہوتی ہے، اس کا مصنف بابر اور ہمایوں کا ہم عصر ہے،

سلیمان اکت خان نے جب سلطان علاء الدین کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور علاؤ الدین بچکر اپنے خیمہ کے پاس چلا آیا، اور اس کے لشکر والوں نے اس کو دیکھ کر جس طرح خوشی منائی ہے اس کو مصنف مذکور اس طرح ادا کرتا ہے،

وکان فی العسکر من الفرح بھم	چھاؤنی میں خوشی کی ایسی دھوم تھی کہ
ما کان یشبہ ضجۃ البعث النفیر	گویا حشر برپا ہے، کہیں نفیری اور نقارہ
من جانب والنقارۃ من جانب	کی آواز، کہیں انسانوں اور ہاتھیوں
والنداء من جانب والافیال	کی چیخ، کسی طرف بندوقوں کی آواز
من جانب وقرقعۃ البنادق من	کسی جانب توپوں کی گرج تھی،
جانب ورعد المدافع من جانب[2]	

یہ توپ اس قدر وزنی تھی کہ اس کو ایک سو بیل کھینچتے تھے جس وقت چلتی تھی تو زمین ہل جاتی تھی، یہ تعداد میں چار تھیں[3]

علاء الدین کے عہد میں دکن کی حالت | سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۷۱۶ھ کے عہد میں جنوبی ہند

[1] ظفر الوالہ ص ۱۰۰، [2] طبقات بہادر شاہی بحوالہ ظفر الوالہ جلد ثانی صفحہ ۸۰۳، لیڈن

[3] الیٹ جلد ششم ضمیمہ ص ۴۶۶،

(دکن) کی چھ ریاستین مشہور تھین، تلنگانہ، مہاراشٹر، چولا، پانڈیا، چیرہ، ہوسیالا، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد پانڈیا خاندان معبر (مدراس) کی چولا سلطنت مین مدغم ہوگئی، اور مہاراشٹر کو جس کا پایۂ تخت دیوگیر (دولت آباد) تھا، علاء الدین خلجی نے اپنے مقبوضات مین شامل کرلیا، باقی تمام ریاستین باجگذار ہوگئین، قطب الدین خلجی متوفی ۷۲۰ھ کے عہد مین ان ریاستون نے بغاوت کی جس کے تدارک کے لئے خسرو خان پہنچا، اوس نے معبر کو فتح کرلیا اور باقی ریاستین بدستور باجگذار رہین،

سلطان محمد تغلق متوفی ۷۵۱ھ کے زمانہ مین دولت آباد (مہاراشٹر) اور معبر (مدراس) کی دو اسلامی ریاستین پیدا ہوئین، جن کا پایۂ تخت، گلبرگہ اور مدورا تھا، باقی تین ریاستین رہ گئی تھین، ان مین سے چیرہ کے محاصل کا بڑا حصہ چونکہ مسلمان تاجرون کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا، اس لئے وہان کا راجہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا، یہ ریاست نواب حیدر علی تک قائم رہی، باقی دو ریاستین ایک تلنگانہ جس کا پایۂ تخت ورنگل تھا، اور ہوسیالا خاندان کی جس کا پایۂ تخت دھورسمندر تھا، کافی طاقتور تھین، مسلمانون کے بار بار حملہ سے دھورسمندر اپنی رونق کھو بیٹھا تھا، اس لئے یہان کا راجہ تنور چلا گیا،[1] محمد تغلق کے عہد مین گرشاسپ کی بغاوت کے وقت راجہ کمپلہ کی ریاست جو ہوسیالا خاندان کے ماتحت تھی، اسلامی مقبوضات مین شامل ہوگئی تھی،

فرشتہ راوی ہے کہ ورنگل کی حکومت بھی بغاوت کی وجہ سے محمد تغلق نے فتح کرلی، اور اس کا راجہ کشنا (کرشنا) بن لدر دیو بھاگ کر ہوسیالا خاندان کے راجہ بلال دیو کے پاس تنور پہنچا، اور اس سے امداد طلب کی، اور دونون کی رائے سے یہ طے پایا، کہ بلال دیو، تنور کو چھوڑ کر اسلامی مقبوضات کی سرحد پر پایۂ تخت بنائے، اور کرشنا کو مدد دیکر ورنگل پر قبضہ کرادے، چنانچہ اُس نے اپنے لڑکے بیجن کے نام پر بیجن نگر آباد کیا، جو آخر مین بیجانگر ہوگیا،

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ کا حاشیہ ص ۱۶۲ دہلی،

اس زمانہ مین محمد تغلق پے درپے بغاوتون کے باعث پریشان تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر بلال دیو نے کرشنا کا ورنگل پر قبضہ کرادیا، اس وقت دکن مین بہمنی سلطنت کی ابتدا ہوچکی تھی، اسی کے دوش بدوش بیجانگر نے جلد جلد ترقی شروع کردی اور آخر چند ہی دنون کے بعد دھورسمندر اور معبر کی اسلامی ریاستون کا خاتمہ کردیا، اور ان اطراف کے تمام علاقون پر قبضہ کرکے بڑا طاقتور راجہ بن گیا، حصول وجیانگر مین ہے کہ ۷۲۳ھ ۱۳۲۳ء مین ورنگل فتح ہو تو ہری ہر اور بکا دو بھائی وہان سے بھاگ نکلے، اور کمپلہ مین آکر ملازم ہوگئے، اور فتح کمپلہ کے بعد جب یہان کی حکومت مسلمان نہ سنبھال سکے، تو ان دونون بھائیون کو دیدی، جو درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت تک پہنچ چکے تھے، ہری ہر جو راجہ ہوگیا تھا اُس نے اپنے گرو ودیارانیا کے نام پر ایک شہر بسایا، جس کا نام ودیاجا رکھا، جو بیجانگر ہوگیا،

دکن مین بندوق

دکن کے متعلق اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہان توپ کب سے استعمال کی گئی، یون تو دکن مین بھی ہر قسم کے آلاتِ حرب کا استعمال رائج تھا، چنانچہ محمد شاہ بہمنی نے جنگ تلنگانہ ۷۶۳ھ مین منجنیق استعمال کی تھی،[2] مگر توپ کے متعلق کوئی صحیح تاریخ نہین بتائی جا سکتی البتہ صحیح ہے کہ دکن مین عرصہ سے یہ مستعمل تھی، اور یہان کے راجے اس سے بخوبی واقف تھے، مسلمانون کو سب سے پہلے محمد شاہ بہمنی کے عہد مین اس سے سابقہ پڑا کیونکہ اس زمانہ مین بندوق کا بھی عام رواج ہوچکا تھا، چنانچہ تلنگیون نے واپسی کے وقت محمد شاہ بہمنی کے لشکر کو اس سے سخت نقصان پہنچایا، یہان تک کہ خود محمد شاہ کے بازو پر بھی اس سے چوٹ آئی،[3]

بیجانگر مین توپ خانہ

توپ کا بھی استعمال دکن مین جاری تھا، اور طاقتور راجے اس کو کام مین لاتے تھے، ۷۶۷ھ کی جنگ بیجانگر مین راجہ میدانِ جنگ مین کوئی سو توپین لایا تھا، جو شکست کے بعد محمد شاہ بہمنی کے ہاتھ لگین، فرشتہ لکھتا ہے[4]:

[1] بحوالہ تاریخ معبر علی گڈھ [2] فرشتہ ص ۲۸۶ ج ۱ [3] فرشتہ ص ۲۸۷ لکھنؤ [4] ایضاً ص ۲۸۹

بروایت تحفۃ السلاطین دو ہزار فیل و سی	تحفۃ السلاطین کی روایت کے مطابق
صد ارابہ توپ و ضرب زن و ہفت صد اسپ	دو ہزار ہاتھی، اور تین سو گاڑی توپ،
و یک صد سنگاسن مرصع داخل سرکار	سات سو گھوڑے ایک سو جڑاؤ پالکی شاہی
بادشاہی شدہ، باقی غنائم بامرا متصرف	ملکیت مین داخل ہوئی، باقی پر امراء
گردیدند،	قابض ہوئے،

سلاطین بہمنی کا توپ خانہ

اس کے بعد فرشتہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ بہمنی نے اس کی طرف خاص توجہ کی، اور اس کے لئے ایک مخصوص محکمہ قائم کیا، اور ایک اعلیٰ افسر کا تقرر عمل مین لایا جس کا نام مقرب خان تھا، جو سیستان کا رہنے والا تھا، اس کے الفاظ یہ ہین،

سلطان محمد شاہ بہمنی بصلاح خان محمد	سلطان محمد شاہ بہمنی بشورہ خان محمد قلعہ
عمل کردہ پیرامون تسخیر قلعہ نگردید و	فتح کرنے کے پیچھے نہ پڑا، اور تمام ملک اور
فرامین مطاعہ بجمیع قلعہ و ممالک محروسہ	قلعون مین فرمان بھیج کر توپین طلب کین،
مرسول داشتہ توپ و ضرب زن بسیار طلب	اور آتش بازی (توپ سازی) کا کارخانہ
کردہ کارخانہ آتشبازی راکہ پیش ازان	(جو دکن کے مسلمانون مین اس وقت
دردکن میان مسلمانان شائع نبود محل اعتنا	تک رائج نہ تھا) قائم کرکے اس کا علحدہ
ساختہ سرکار آنرا بمقرب خان ولد صفدر	ایک محکمہ بنایا، اور مقرب خان ولد صفدر
خان سیستانی کہ از امراء معتمد بود رجوع	خان سیستانی کو جو معتمد امراء مین سے تھا،
فرمود، وجمیع رومیان و فرنگیان کہ ملازم	اس کا افسر بنایا، اور تمام رومی (ترکی)
آن موکب منصور بودند تابع مقرب خان شدہ	اور فرنگی (؟) کو جو اس لشکر مین نوکر تھے،

[1] فرنگی اس عہد مین ہندوستان نہین آئے تھے، غالباً سہو مصنف یا کاتب ہے،

توپ خانہ بزرگ ترتیب یافت،	اس کے ماتحت بنایا، اور اس طرح ان لوگون کے ذریعہ ایک بڑا توپ خانہ تیار کر لیا،

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام صوبہ دکن (جنوبی ہند) مین اس سے قبل توپ کا رواج نہ تھا، غالباً اس سے فرشتہ کی مراد سلطنت بہمنی ہے، جو صرف چند سالون سے قائم ہوئی تھی، ورنہ اس سے پہلے جنوبی ہند مین توپ رائج ہو چکی تھی، جیسا کہ خود فرشتہ نے لکھا ہے، کہ راجہ بیجانگر نے تین سو توپین میدان جنگ مین چھوڑین، جو اس کا ثبوت ہے کہ جنوبی ہند مین اس کا عام رواج ہو چکا تھا، ورنہ ہندو ریاست بیجانگر مین اتنی توپین کہان سے آتین، درحقیقت جنوبی ہند کے مسلمان اس کو عرصہ سے استعمال کر رہے تھے،

یہ مسلمان زیادہ تر یمن، بصرہ، عراق، مصر اور ایران کے تھے، جیسا کہ تمام عرب سیاحون نے اس کا بتفصیل ذکر کیا ہے،

جنوبی ہندوستان مین مسلمانون کی آبادی

جنوبی ہندوستان مین ہر جگہ مسلمان پھیلے ہوئے تھے، اور تقریباً تمام جنوبی ہندوستان مین ہندو راجاؤن کی حکومت تھی، لیکن مسلمان بڑے بڑے عہدون پر مامور تھے، ان حکومتون کے عرصۂ دراز تک شمالی ہندوستان کے مسلمانون کے مقابل قائم رہنے کا سبب بھی انہی مسلمانون کا وجود تھا، جو ملازم کی حیثیت سے ان راجاؤن کے پاس رہتے تھے، ابن بطوطہ جس نے آٹھوین صدی کے وسط مین ہندوستان کی سیر کی ہے، لکھتا ہے:-

دو دن کے بعد ہم فاکنور پہنچے، (جس کو آج کل برکور کہتے ہین احاطۂ مدراس مین داخل ہے، بیجانگر کے ماتحت تھا) ...... اس شہر مین بہت سے مسلمان ہین، ان مین سب سے بڑا حسین سلطان ہے ...... اس شہر کے راجہ کا نام باسدیو ہے، تیس جنگی جہاز اس کے پاس ہین، لیکن سب کا افسر لولا (لولی) نامی مسلمان ہے، (ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۶ مطبوعہ مصر)

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

"شہر ہنور کے (یہ بیجانگر کے ماتحت تھا، اب اس کو ہونور کہتے ہین، اور علاقہ بمبئی مین شامل ہے) مسلمان باشندے شافعی مذہب ہین، وہ دیندار نیک، اور بحری طاقت کے لئے مشہور ہین، یہان ایک خانقاہ ہے جس کے منتظم شیخ محمد ناگوری ہین، فقیہ کا نام اسماعیل ہے، عہدۂ قضا پر مولانا نورالدین ہین، ایک عالم خطیب بھی مقرر ہین، شہر مین ۲۳ مدرسے لڑکون کے اور ۱۳ لڑکیون کے لئے ہین، لڑکیان اکثر حافظ قرآن ہوتی ہین، مالابار کے لوگ سلطان جمال الدین کو کچھ خراج بھی دیتے ہین، کیونکہ اُن کے پاس بحری طاقت بہت بڑی ہے، وہ چھ ہزار پیادہ اور سوار بھی رکھتا ہے، یہ بڑا نیک بخت ہے، اور ایک ہندو راجہ کا ماتحت ہے، جس کا نام "ہریب" ہے،[1] (صحیح نام ہری ہر ہے جو بیجانگر کا راجہ تھا)

شہر منگلور کے حال مین لکھتا ہے:-

"اس شہر مین فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہین،........ یہان کا راجہ مالابار مین سب سے بڑا حکمران ہے، اس کا نام "رامدیو" ہے، اس شہر مین چار ہزار مسلمان رہتے ہین، اُن کی آبادی شہر کے باہر ہے، کبھی کبھی شہر والون سے اُن کی لڑائی بھی ہو جاتی ہے، تو راجہ دونون مین صلح کرا دیتا ہے، شہر کا شافعی قاضی بدرالدین معبری نامی ہے، اس کا بیان ہے کہ فاکنور مین مسلمانون کی آبادی کم اور اُن کی قوت کچھ نہین ہے، لیکن اس شہر مین راجہ ہم سے خود خوف کھاتا ہے، اور اس لئے کسی بدعمال کی ضرورت نہین ہے،[2]

کالی کٹ بہت بڑا بندرگاہ ہے، یہان مین فارس بلکہ تمام دنیا کے جہاز آتے ہین، یہان

[1] ابن بطوطہ جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۱۳۷ ۔

کا راجہ ہندو ہے، جس کا نام سامری ہے، یہان کے پورٹ کمشنر کا نام ملک التجار ابراہیم ہے، شہر کا قاضی فخرالدین عثمان اور خانقاہ کا ناظم شیخ شہاب الدین گازرونی ہے، ناخدا مثقال تاجر اعظم اسی شہر مین رہتا ہے، جس کے جہازات ہندوستان، چین، یمن، فارس جاتے آتے ہین،[1]

فتح گورا (سنداپور) کے موقع پر لکھتا ہے،

"سلطان جمال الدین (والی ہنور ماتحت بیجانگر) کے پاس ۵۲ جنگی جہاز تھے،....... شنبہ کے دن چل کر منگل کے دن ہم سنداپور پہنچے، اور کھاڑی مین داخل ہوئے، معلوم ہوا کہ سنداپور کے باشندے لڑائی کے لئے تیار ہین، اور منجنیق لگاتے ہوئے ہین، رات کو ہم ٹھہرے رہے صبح ہی جنگ شروع ہوگئی، اور دشمنون نے جہاز پر منجنیق سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، ایک شخص جو بادشاہ کے قریب تھا، اس کو پتھر لگا،........ ہم تلوار پکڑ کر شہر مین داخل ہوئے، اکثر ہندو اپنے راجہ کے محل مین پناہ گزین ہو گئے، ہم نے ان پر آگ برسائی تو وہ نکل پڑے، ان سب کو گرفتار کر لیا گیا، جو دس ہزار کے قریب تھے،"[2]

وصاف نے معبر کے (مدراس) حال مین لکھا ہے، کہ وہان کے راجہ کا نام سندر پانڈے ہے، اس کے وزیر کا تقی الدین عبدالرحمن ہے، ۱۲۹۳ء مین اس راجہ کی وفات ہوئی، "مدورا" اس کا پایۂ تخت تھا، ۱۳۱۱ء مین جب کافور نے معبر (مدراس) کو مطیع کیا تو یہان کے راجہ کا نام "ویرا پانڈے" تھا،[3] ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) مین راجہ کے سرکشی پر ملک خسرو خان گجراتی نے سلطان قطب الدین خلجی کے عہد مین اس کے ملک کو ممالکِ اسلامیہ مین داخل کر لیا، ۷۳۵ھ مین سید حسین کیتھلی نے یہان خود مختار حکومت قائم کی، جس کو راجہ بیجانگر نے آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا، تا آنکہ ۷۷۸ھ (۱۳۷۶ء) مین اس کا بالکل خاتمہ کر دیا، بیجانگر کے اس راجہ کا نام "ہری ہر دوم" تھا،[4]

[1] ابن بطوطہ ص ۱۳۷ [2] ملخص ابن بطوطہ [3] حاشیہ ابن بطوطہ ص ۳۶۲ دہلی [4] تاریخ معبر ص ۱۹ علی گڑھ،

معبر کے حال مین ابن بطوطہ لکھتا ہے،

"اس بادشاہ (غیاث الدین شاہ معبر) کے قرب وجوار مین ایک راجہ بلال دیو تھا، یہ عظیم الشان راجہ تھا، اس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا، ان مین سے بیس ہزار مسلمان تھے،"[1]

یہ بلال دیو دھور سمندر کا راجہ تھا جیسا کہ دوسری تاریخون مین تحریر ہے،

مندرجۂ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ جنوبی ہندوستان کی ہندو ریاستون مین مسلمان ملکی اور فوجی اعلیٰ عہدون پر فائز تھے، اور ان کے تعلقات ان تمام اسلامی ملکون کے ساتھ قائم تھے، جہان توپون کا رواج عام طور پر ہو چکا تھا،

دکن مین توپون کا رواج نہ صرف بیجانگر مین تھا، بلکہ دوسری ہندو ریاستون نے بھی اسکی تقلید کی تھی، چنانچہ چولا خاندان نے بھی اپنی فوج مین توپون کو رائج کیا، یہ توپین بڑی بھی ہوتی تھین، اور چھوٹی بھی، انہی مین سے ایک توپ آج کل تنجور (مدراس) کے قدیم قلعہ مین رکھی ہے، جس کا نام راج گوپال ہے، اس توپ کی لمبائی ۲۴ فٹ ۶ انچ اور قطر ۳ فٹ ۹ انچ ہے، اگرچہ اس کے ڈھالنے کی تاریخ معلوم نہین ہے، لیکن قیاس ہے، کہ "جنگ تالی کوٹہ" کے بعد ڈھالی گئی ہے، اسی طرح عادل شاہی توپ لم چھڑی اور لنڈے قصاب اور نظام شاہی توپ ملک میدان کے لگ بھگ ہے،[2]

آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کی ابتدا مین توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا کہ مجاہد شاہ متوفی ۸۰۰ھ فیروز شاہ بہمنی متوفی ۸۲۵ھ اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہون کے فتوحات کا دار و مدار اسی پر ہو گیا تھا، اور اب توپ خانہ کا استعمال قلعہ شکنی کے کام کے علاوہ میدان جنگ مین

[1] ابن بطوطہ ص ۲۷۴، [2] رپورٹ محکمہ آثار قدیمہ ہند ۱۹۳۵ء (بحوالہ زمیندار یکم نومبر ۱۹۳۸ء)

مختلف طریقون سے ہونے لگا تھا،

توپون کا قلعہ

۸۲۵ھ کی جنگ بیجانگر مین احمد شاہ بہمنی نے جب دیکھا کہ دشمنون کی تعداد بہت زیادہ ہے اور شب کو لوٹ مار کر بازار زیادہ گرم ہو جاتا ہے، تو اس نے توپ خانہ کا حصار قائم کیا، یعنی فوج کے چارون طرف اس طرح سے توپین نصب کین کہ دشمن قریب نہ آسکے، یہ طریقہ غالباً ترکون کی ایجاد ہے، اسی نے اس طریقۂ جنگ کو رومی طرز کہتے ہین،

فرشتہ لکھتا ہے:-

"بنا بر آن کہ قریب ده لک پیاده و توپچی دکنی ندار در لشکر غنیم بود، و در شب بطریق دزدان خرابی بسیار می کردند، و اسپ و آدم می کشتند، ہر آئینہ سلطان احمد شاہ بطریق رومی عراد ہائے آتش خانہ کہ عدد آن قریب دو ہزار بود دور لشکر کشیده مدت چہل روز بہ نشست"[1]

قریب دس لاکھ پیادہ اور توپچی، اور کماندار دشمن کے لشکر مین موجود تھے جو چورون کی طرح لشکر مین گھس کر نقصان پہنچاتے، گھوڑون اور آدمیون کو مار ڈالتے، سلطان احمد شاہ رومی طریقہ پر توپون کی جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی، لشکر کے ارد گرد قائم کر کے چالیس روز بیٹھا رہا،

کشمیر مین توپ

۸۲۶ھ مین کشمیر کے بادشاہ سلطان زین العابدین کے پاس جب (رجب) نامی ایک شخص نے جو اس فن کا بڑا ماہر شخص تھا، اس کو کشمیر مین بڑی ترقی دی، اور بارود بنانا، اور توپ اور بندوق ڈھالنا کشمیریون کو سکھایا، اس کی اس فیاضانہ تعلیم سے کشمیر مین اس فن کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہو گئے، فرشتہ لکھتا ہے،

"در عہد سلطان (زین العابدین) جب

سلطان زین العابدین کے زمانہ مین جب

[1] فرشتہ ص ۳۲۰ نولکشور، [2] کتاب مذکور ص ۳۴۲،

نام آتشبازے پیدا شد کہ چشم روزگار پیش ازان ندیدہ بود، او در فن آتشبازی اختراعات کردہ کہ مردم حیران ماندند و در کشمیر تفنگ او پیدا کرد، و در حضور سلطان داروہا ساخت و ہنرہا نمود، و مردم را تعلیم داد،[1]

(رجب) نامی ایک ایسا آتش باز کشمیر مین آیا، کہ زمانہ مین اس کی مثال نہ تھی، اس نے ایسی ایسی ایجادین کین کہ لوگ متحیر ہوگئے، کشمیر مین بندوق اُسی نے ایجاد کی، بادشاہ کے سامنے بارود سے مختلف قسم کے ہنر دکھائے اور پھر لوگون کو اس کی تعلیم دی،

اس بادشاہ کے آخر عہد مین توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ کشمیر اور تبت جیسے پہاڑی مقام کے اکثر قلعے اسی کے ذریعہ سے فتح ہوئے، اور سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اسی کے ذریعہ اپنی فتح کا ڈنکا بجاتا رہا۔ فرشتہ مین ہے،

و آدم خان پسر بزرگ سلطان از کشمیر بحکم پدر برآمد، با جمعیت تمام از سوار و پیادہ و توپچی و تیر انداز بہم رسانید، و ولایت تبت را بآسانی فتح نمود، و غنائم بے شمار نزد شاہ آورد،[2]

سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اپنے باپ کے حکم سے سوار، پیادہ توپچی، اور تیر انداز کا لشکر لیکر کشمیر سے نکلا، اور تبت کو آسانی کے ساتھ فتح کر ڈالا، اور بے شمار لوٹ کا مال باپ کے پاس لایا،

گجرات مین توپ گجرات مین توپ کا استعمال ہوگیا تھا، اور سلطان احمد شاہ اول نے ۸۲۵ھ کی جنگ مالوہ مین اس کا استعمال کیا، اور غالباً اسی کی بدولت تمام گجرات کے راجاؤن اور ہمسایہ سلطنتون پر اس کو تفوق حاصل تھا، فرشتہ احمد شاہ کے حال مین لکھتا ہے،

و از گجرات آلات قلعہ کشائی از منجنیق و

اور گجرات سے قلعہ فتح کرنے کا سامان

[1] فرشتہ ص ۳۴۴ نولکشور [2] ایضاً ص ۳۴۵،

ارابہ وغیرہ طلب نمود،[1]

مثلاً منجنیق، ارابہ وغیرہ طلب کیا،

یون تو ارابہ کے لغوی معنی "گاڑی" کے ہین[2] لیکن اصطلاح مین خاص اس گاڑی کو کہتے ہین جس پر توپ رکھی جاتی تھی، ظفر الوالہ مین ہے،

والارابۃ عبارۃ عن آلۃ الحمل ذات العجل تسیر بہن الحیوانین وعلیہا العمل بالہند،[3]

اور ارابہ سے مطلب ایسی ہی گاڑیان ہین جن کو دو جانور (بیل) کھینچتے ہین، اور ہندوستان مین اسی پر عمل (توپ) ہے،

اس کی تائید گجرات کی ایک قلمی تاریخ سے بھی ہوتی ہے جس مین احمد شاہی افسرون کی ایک فہرست مع تنخواہ کے دی ہے، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس عہد مین توپین اتنی وزنی تھین کہ اس کو ہاتھی کھینچتے تھے، چنانچہ کتاب مذکور مین لکھا ہے کہ تنخواہ داروغہ توپ خانہ فیل دو ہزار تنکہ تھی،[4]

مالوہ مین توپ مالوہ مین بھی توپ کا رواج ہو چکا تھا، اور قلعہ کشائی کے موقع پر اس کو استعمال مین لاتے تھے، سلطان محمود خلجی شاہ مالوہ کے حال مین فرشتہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ منڈل گڑھ کے وقت توپون کے صدمہ سے حوض کا پانی خشک ہوگیا، چنانچہ ۸۶۱ھ کی جنگ کے متعلق لکھتا ہے، کہ

و در اندک مدت حصار را بدستیاری توفیق کشودند، اما خلقے کثیر اسیر گشت و بقتل رسید، و راجپوتان بقلعہ دیگر کہ بر کوہ بود، پناہ بردہ، باستحکام و تحصن آن مغرور گشتند، و چون آب حوضہائے بالائے قلعہ بواسطہ صدائے توپ فرو رفت

تھوڑی مدت مین قلعہ فتح کر لیا، لیکن بہت آدمی قید اور قتل ہوئے، راجپوت دوسرے قلعہ مین جو پہاڑ پر تھا چلے گئے، اور اس کو محفوظ اور مستحکم کر کے مغرور ہو بیٹھے، مگر جب توپ کی دھمک سے قلعہ کے تالاب کا پانی زمین کے اندر چلا گیا،

[1] فرشتہ ص ۱۸۶، جلد دوم [2] لغات کشوری [3] ظفر الوالہ ص ۲۶۳ دفتر اول لیڈن [4] تاریخ گجرات قلمی ملوکہ بی بی فضل النساء موضع وڈریا متصل بھروچ،

وآبے کہ در قلعہ معاوِل بود بدست لشکر محمود افتاد و از بے آبی نالہ و فغان بر داشتہ العطش گویان امان خواستند[۱]

اور پہلے قلعہ کا پانی محمود کے قبضہ مین ہوگیا تو پانی نہ ہونے کے باعث لوگ پیاسے مرنے لگے، اور امان مانگنے پر مجبور ہوگئے،

محمود شاہی توپین

گجرات مین سلطان محمود بیگڑہ کا عہد انتظامِ مملکت اور ترقی کے لحاظ سے بڑا مبارک خیال کیا جاتا ہے، اس زمانہ مین اس کا توپخانہ اتنا طاقتور اور اعلیٰ درجہ کا تھا کہ ہمسایہ سلطنتون مین کوئی بھی اس کی ہمسری نہین کرسکتا تھا، اس کے پاس ہر قسم کی توپین تھین، محاصرہ کی توپ اور میدانی توپ کے علاوہ بحری بیڑے کے لئے بھی توپین تیار کی گئی تھین، مالابار کی بحری لڑائی مین اس کے استعمال سے نمایان فتح حاصل کی، فرشتہ مین ہے،

دور ماہ رجب ۸۸۷ھ داعیہ نمود کہ جمعے را در آنجا گذاشتہ عازم تسخیر چانپانیر گردید، ازان اثنا خبر رسید کہ ملیباریان کشتی بسیار گرد آوردہ می خواہند کہ متردین دریا را آزار و مزاحمت رسانند، سلطان فسخ عزیمت مذکور کردہ، در جہاز سوار شد و باچندین جہاز آراستہ، و دیگر مشحون از مردان کار و توپ و تفنگ و تیر و کمان بسیار بدفع آن جماعت روانہ شد[۲]

رجب ۸۸۷ھ مین خیال تھا کہ کچھ فوج اس جگہ چھوڑ کر چانپانیر کو فتح کرے کہ اس کو خبر ملی کہ مالاباری لوگ کچھ کشتیون کے ذریعہ مسافرون کو تکلیف دینا چاہتے ہین، سلطان نے ارادہ بدل دیا، اور جہاز پر سوار ہوگیا، اور چند جہازون کو جنگی آدمیون، توپ، تیر و کمان وغیرہ سے بھر کر ان لوگون کو نکالنے کے لئے روانہ کیا،

گجرات کے مشہور ترین قلعہ چانپانیر کو جو اس عہد تک کسی سے فتح نہ ہوسکا تھا، ۸۸۹ھ مین

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۲۵۱ [۲] ایضاً ص ۲۰۱،

محمود بیگڑے کے توپ خانہ نے اس طرح نقصان پہنچایا کہ آخر مفتوح ہوگیا، فرشتہ لکھتا ہے،

اتفاقاً قبل ازان بچند روز از مغرب رویہ توپے بزرگ بر دیوار قلعہ بزرگ انداختہ بودند شگافے در آن پیدا آمدہ بود، در آن روز ملک ایاز سلطانی فرصت یافتہ، باتفاق جمعے از سپاہیان خود بآن شگاف رسانیدہ از آنجا بحصار بزرگ در آمد[۱]

اتفاقاً چند روز پہلے مغرب کی طرف ایک بڑی توپ نے قلعہ کی دیوار گرا دی تھی جس سے شگاف ہوگیا تھا، اس دن ملک ایاز سلطانی موقع دیکھ کر کچھ سپاہیون کے ساتھ اس شگاف سے بڑے قلعہ مین پہنچ گیا،

۹۱۳ھ مین سلطان کا بحری بیڑا زبردست ہوگیا تھا، کاٹھیاواڑ سے لے کر مالابار کی سرحد تک اس کے ذریعہ حفاظت ہوتی تھی، ملک ایاز اس زمانہ مین امیر البحر تھا، جب پرتگیزون نے ایک ساحلی مقام پر قلعہ تعمیر کرانا چاہا، اور اسلامی ملکون کے جہازون کی آمد و رفت پرتگیزون کی لوٹ مار سے بند ہونے لگی، تو ایک طرف سے ترکی سلطان نے اپنا جنگی بیڑا پرتگیزون کو شکست دینے کے لئے روانہ کیا، اور دوسری طرف سے سلطان محمود نے ملک ایاز کو حکم دیا کہ وہ دیو بندر دمن اور تھانہ وغیرہ کے بیڑے لے کر رومی، (ترکی) جہازون کے ساتھ ملکر جنگ کرے، چنانچہ اس جنگ مین ترکی اور گجراتی توپ خانہ نے اپنی آتش فشانی سے متعدد جہاز غرق کر کے کامل فتح حاصل کی، فرشتہ نے لکھا ہے،

سلطان غلام خود ایاز را کہ امیر الامراء و سپہ سالار بود از بندر دیب (دیو) با چند کشتی خاصہ مشحونہ از ابطال رجال و مملو از آلات قتال بدفع فرنگیان

سلطان نے اپنے غلام ایاز کو جو امیر الامرا اور سپہ سالار بھی تھا، دیو بندر سے چند کشتیون کے ساتھ جو جنگی سپاہیون اور جنگی آلات سے بھری تھین، فرنگیون

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۲،

(پرتگیز) نام زد فرمودہ، وہ جہاز بزرگ رومی (ترکی) کہ از جانب خون کار روم (سلطان ترک) بہ غزا آمدہ بودند با ایاز ہمراہی کرد، و ایاز تا بندر چیول رفتہ با عیسویان (پرتگیز) بمقابلہ پیوست و یک جہاز بزرگ فرنگان کہ یک کرور متاع داشت و بزرگ ایشان (افسر) دران بود بہ توپ مسلمان شکستہ در دریا غرق شد[1]

کو نکالنے کے لئے نامزد کیا، اور وہ بس بڑے جہاز جو سلطان روم کی طرف سے جہاد کے لئے آئے ہوئے تھے، اس کے ساتھ کر دیئے، اور ایاز نے بندر چیول پہنچ کر پرتگیزون سے مقابلہ کیا، اور فرنگیون کا ایک بڑا جہاز جس مین ایک کروڑ کا مال تھا، اور ان کا افسر بھی اسی مین تھا مسلمانون کی توپ کے گولون سے ٹوٹ کر دریا مین غرق ہوگیا،

سنہ ۹۲۳ھ مین سلطان مظفر حلیم بن سلطان محمود اول نے جب میدنی رائے کے ظلم و ستم سے مسلمانون کو نجات دلانے کے لئے مالوہ پر حملہ کیا، تو قلعہ کے محاصرہ مین توپین موجود تھین، اس سے اس نے پورا کام لیا ہے، درحقیقت محمود بیگڑا کے ترتیب دیئے ہوئے اعلیٰ درجہ کے توپ خانہ ہی سے یہ مضبوط قلعہ فتح ہوا، ورنہ اس سے پہلے کسی گجراتی بادشاہ کا قدم وہان تک نہین پہنچا تھا،

محاصرہ کے متعلق اسی عہد کی کتاب مظفر شاہی مین ملا ملالی لکھتے ہین :-

و نفط اندازان بہ سنگ مغربی کوہ را سرمہ دیدہ جنگ آوران می ساختند و شکوہ گولہ رعد آتش در دل کوہ می انداخت، چون چند کرت آتش باز سپہر غلولہ مدا

اور نفط اندازون نے سنگ مغربی (توپون) سے پہاڑ کو سپاہیون کے لئے سرمہ بنا دیا، اور توپ کے گولہ کا دبدبہ پہاڑ کے دل مین بٹھایا، جب متعدد دفعہ آسمان نے چاند کے

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۴،

از کارخانۂ مشرق بعرصۂ مغرب روان گردانید، از صدمہ گولہ صد منی سنگ مغربی کوہ سنگے دل بر لرزہ درآمد و دیوار حصار از زخم سنگ دہن باز کردہ بنالہ شکستگان آزاد نہاد، و سرہاے برج چو دندانے سین رخنہ رخنہ شد[1]

گولہ کے مشرق کے کارخانہ سے مغرب کے میدان مین بھیجا، تو سنگ دل پہاڑ بھی صد منی گولون کے صدمہ سے لرز اٹھا، اور قلعہ کی دیوار نے منہ کھول کر پتھر کے زخم سے اپنے ٹوٹنے کا شکوہ شروع کیا، اور برجون کے سر سین (س) کے دندانے کی طرح سوراخ دار ہو گئے،

بہادر شاہی توپین

سلاطین گجرات مین بہادر شاہ گجراتی کو توسیع مملکت مین سب پر فوقیت حاصل ہے، بحر عرب (کاٹھیاواڑ، گجرات) سے لے کر اجمیر اور بیانہ تک اور سرحد سندھ سے دکن تک کا علاقہ اس کے زیر نگین تھا، اس کو توپ سے عشق تھا، اس نے طرح طرح کی توپین جمع کی تھین، خوش قسمتی اسکو فرنگی خان اور رومی خان دو ماہر فن بھی مل گئے تھے، رومی خان نے ایسی ایسی توپین ڈھالین کہ ہندوستان مین آج تک کسی نے نہین دیکھی تھین، مرآۃ سکندری مین ہے کہ رومی خان نے فتح چتوڑ مین ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ لوگ دنگ رہ گئے، چنانچہ ایک جگہ ہے کہ

می گویند حکمت ہائے کہ رومی خان در محاصرہ قلعہ چتوڑ می نمود کسے نہ دیدہ بود و نشنیدہ، چہ در برآوردن توپہا بالاے کوہ محاذی قلعہ، و چہ در کشیدن نقبہا و چہ در برآوردن ساباط تا کہ در اندک

لوگ کہتے ہین کہ قلعہ چتوڑ کے محاصرہ مین رومی خان نے ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ آج تک نہ کسی نے دیکھے نہ سنے تھے، چنانچہ توپون کو بلند پہاڑ پر قلعہ کے مقابل لیجا کر، اور نقب لگا کے

[1] مظفر شاہی قلمی مملوکہ بھولاناتھ لائبریری احمد آباد،

مدت کفار قلعہ عاجز آمدند[1]

اور دمدمون کو اس طرح تیار کر دیا کہ تھوڑی ہی مدت مین قلعہ کے لوگ عاجز آگئے،

رومی خاں ترکمان خاندان سے تھا، اس کا اصلی نام مصطفی خان ہی، جو کسی غلامون کی طرف سے مصر مین تھا، وہان سے یمن آیا، پھر عدن مین رہا۔ کچھ دنون کے بعد ۹۳۷ھ مین بندر دیو (کاٹھیاواڑ) پہنچا، یہان بہادر شاہ گجراتی نے اس کی بڑی قدر دانی کی، اور رومی خان کا خطاب دے کر افسر توپ خانہ بنایا،[2]

رومی خان اپنے ساتھ ایک بہت بڑی توپ لایا تھا، اس کا نام عام طور پر لوگون نے بعد کو مصری توپ رکھا، اس کے متعلق مراۃ سکندری مین ہے،

سلطان بخط دیو تشریف برد واز دیو توپ کلان مصری کہ رومی خان آوردہ بود آن توپ را بجانب محمد آباد فرستاد مع صد توپ دیگر بہ نیت فتح چتوڑ می گویند کہ ورا گاوان بسیار کہ آن می بستند صد نفر کہار آن را می کشیدند تا از جائی جنبید[3]

سلطان دیو پہنچا اور چتوڑ فتح کرنے کی نیت سے وہ مصری بڑی توپ جو رومی خان لایا تھا، دیو سے محمد آباد مع دوسری سو توپون کے بھجوایا، کہتے ہین کہ علاوہ بہت سے بیلون کے جو اس مین جوتے گئے تھے، تین سو کہار اس کو کھینچتے تھے تاکہ اپنی جگہ سے جنبش کرے،

اس توپ کا اصلی نام لیلی تھا، سلمان ترکمان نے اس کو مصر مین سلطان سلیمان ترکی کے نام سے تیار کرایا، جب کامران کے قریب سلمان شہید ہو گیا، تو امیر مصطفی توپ خانہ اور جہاز لے کر بندر دیو چلا آیا، اور بہادر شاہ کے حکم سے ایک دوسری توپ اس کے مقابل کی تیار کرائی جس کا نام "مجنون" رکھا،

[1] مراۃ سکندری ص ۲۴۴ بمبئی طبع دوم [2] ظفر الوالہ ص ۲۱۸، جلد اول لیڈن [3] مراۃ سکندری صفحہ ۲۳۲،

ظفر الوالہ مین ہے:۔

وکان من ھدایتہ لہ مدفع صنعہ سلمان باسم سلیمان صاحب الروم سماہ لیلی، فصنع مدفعاً باسم بہادر سماہ مجنون وکان کمجنون ولیلی یضرب بھما المثل،[1]

اور اس کے تحفون مین سے سلطان کے لئے ایک توپ تھی، جس کو سلمان نے سلطان روم سلیمان کے نام سے ڈھال کر اس کا نام لیلی رکھا تھا، اس نے ایک دوسری توپ بہادر شاہ کے نام سے تیار کی جس کا نام مجنون رکھا، اور دونون مثل مجنون اور لیلی کے تھے،

یہ مصری توپ عہد اکبری مین چانپانیر مین تھی، یہان سے سورت بندر پہنچی، اور آج کل جوناگڈھ کے قلعہ مین مسجد کے سامنے رکھی ہے، کتابون مین گو اس کو سلیمانی توپ کہتے ہین، مگر کڑانال کے نام سے عوام مین مشہور ہی، یہ توپ ۱۳ فٹ سات بالشت لمبی ہے، اور تقریباً ۲ فٹ کا دہانہ ہے، اس کا گولہ پتھر کا تھا، جو کئی من وزن کا ہوتا تھا، جب مین پہلی مرتبہ جوناگڈھ ۱۹۲۶ء مین گیا تھا، تو عجائب خانہ کے دروازے پر اس کا گولا بطور نمونہ کے پڑا تھا، آج کل یہ توپ بیکار کر دی گئی ہے، اس کے ڈھالنے والے کا نام محمد بن حمزہ ہے، ہندو عوام اس کی پرستش کرتے تھے، چنانچہ مین نے جب اس کو دیکھا تو اس وقت بھی سیندور لگا تھا،

اس توپ پر مندرجہ ذیل عبارت منقوش ہے،

امر بعمل ھذہ المکحلۃ فی سبیل اللہ تعالی سلطان العرب

یہ توپ خدا کی راہ مین (کام کرنے کے لئے) بحکم عرب اور عجم کے بادشاہ سلطان سلیمان خان

[1] ظفر الوالہ دفتر اول ص ۲۲۰،

والعجم سلطان سلیمان خان	ابن سلیم خان (خدا اس کی مدد کو غالب کرے)
محمد بن سلیم خان عز نصرہ	خدا اور دین کے دشمن ہند میں داخل ہونے
لقهر اعداء الله والدين لكفار	والے ملعون پرتگالیوں کو شکست دینے
الاخلين ببلاد الهند پرتغال	کے لئے مصر میں ڈھالی گئی، ۹۳۷ھ
اللعين في محروسة مصر سنة ۹۳۷ھ	بنانے والا محمد بن حمزہ،

عمله محمد بن حمزہ

ایک دوسری توپ اسی عہد کی مگر اس سے چھوٹی قلعہ کی فصیل پر اُس جگہ رکھی ہے جہان پانی کے حوض بنائے گئے ہین، اس کا بنانے والا بھی محمد بن حمزہ ہے، اس کا گولہ ایک من کا ہوتا تھا، جیسا کہ اس کے اوپر کندہ ہے،

لیلیٰ کا حال تو آپ نے معلوم کر لیا، مجنون کی سرگذشت بھی سُن لیجئے، مجنون کا دوسرا نام توپ بہادر شاہی ہے، یہ توپ چانپانیر (گجرات) مین رکھی ہوئی تھی، جب بہادر شاہ گجراتی ہمایون سے شکست کھا کر جزیرہ دیو مین پناہ گزین ہوا اور ہمایون چانپانیر پہنچا، تو قلعہ والون نے تمام توپین اندر کر لین، اس توپ کو وسط کوہ تک لے کر پہنچے تھے کہ ہمایون نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اہلِ قلعہ نے توپ کو کیل مار کر بیکار کر دیا، ہمایون اس کو دیکھ کر مایوس ہو گیا، لیکن جب رومی خان نے (جو سلطان بہادر شاہ سے غداری کرکے ہمایون سے مل گیا تھا) اسکو دیکھا تو کہا مین اس کا علاج کر دون گا، اور اس کی مرمت کرکے درست کر دیا، لیکن پہلے کے بہ نسبت قد مین چھوٹی ہو گئی، بارود بھی کم لینے لگی، مگر اس پر بھی اس کا جو حال تھا، اس کا اندازہ مرآۃ سکندری کے بیان سے ہو سکتا ہے،

اما آن قدر کہ ہم ماندہ بود آفت و بلائے خدا	لیکن جو کچھ بھی باقی رہ گئی تھی، وہ

بود، می گویند کہ چون رومی خان مجرا کرد	آفت اور بلائے آسمانی تھی، کہتے ہین کہ
بضرب اوّل دروازہ اوّل را بر انداخت،	جب رومی خان نے اس کو چھوڑا تو پہلے
و بضرب دوم درختے عظیم قریب دروازہ	ہی گولہ سے آگے کے دروازہ کو گرا دیا،
بود آن را از بیخ و بُن بر انداخت،	اور دوسرے گولہ سے ایک عظیم الشان
اہلِ قلعہ از مشاہدہ این حال زلزلہ افتاد[1]	درخت جو دروازے کے قریب تھا، جڑ
	سے گر گیا، اس کو دیکھ کر قلعہ والون
	پر لرزہ طاری ہو گیا،

یہ حال دیکھ کر اختیار خان وزیر بہت پریشان ہوا، لیکن رومی خان کے حریف فرنگ خان نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہین ہے، مین اس توپ کو ابھی بیکار کئے دیتا ہون، اختیار خان نے کہا کہ اگر تم نے بیکار کر دیا تو مین تم کو نہال کر دون گا، چنانچہ فرنگ خان نے اس پر تاک کر ایسا گولہ مارا کہ یہ بہادر شاہی توپ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، مرآۃ سکندری مین ہے،

اختیار خان گفت اگر تو توانی ترا نہال	اختیار خان نے کہا کہ اگر تم یہ ہو سکے
خواہم کرد، او بجرائے اوّل چنان زد بر	تو تم کو نہال کر دون گا، اس نے نشانہ
دہن دیگ کہ پارہ پارہ گشت اہلِ قلعہ	لگا کر اس کے دہانہ پر ایسا مارا کہ پہلے
خوش شدند، اختیار خان چیزے کم	ہی گولہ مین ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، قلعہ
بہ او داد، اما راجہ نرسنگھ دیو، ہفت	والون کو اس سے بڑی خوشی ہوئی،
من طلا با و انعام نمود،[2]	اختیار خان نے اس کو کچھ کم دیا، لیکن
	راجہ نرسنگھ دیو نے سات من سونا

[illegible]

[1] مرآۃ سکندری ص ۲۵۱ بمبئی [2] ایضاً

۹۴۰ھ مین بہادر شاہ کو معلوم ہوا کہ پرتگیز دیو پر قبضہ کرنا چاہتے ہین، اس وقت وہ مالوہ مین تھا، چنانچہ یلغار کرتا ہوا، جزیرہ دیو مین پہنچا، پرتگیز اس کی آمد کو سُن کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ اپنی سب سے بڑی توپ چھوڑ گئے، اور یہ توپ بہادر شاہ کے ہاتھ لگی، جس کو اس نے چانپانیر بھجوادیا، اس کے متعلق فرشتہ کا بیان ہے،

چو قریب بہ بندر دیو رسید فرنگیان فرار نمودند و توپ بزرگ ایشان کہ بہ کلانی آن توپ در دیار ہندوستان نہ بود بدست آمد، شاہ او را بہ جر ثقیل بمحمد آباد چانپانیر فرستاد[1]،	جب بندر دیو کے قریب پہنچا تو فرنگی بھاگ گئے، اور اپنی ایک بہت بڑی توپ جس کے مقابل مین ہندوستان مین کوئی توپ نہ تھی، چھوڑ گئے، بادشاہ نے اس کو آلہ جر ثقیل کے ذریعہ محمد آباد چانپانیر بھجوادیا،

اس کا نام توپ فرنگ رکھا گیا،

یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ بہادر شاہ گجراتی جس کے پاس بہتر سے بہتر توپ خانہ تھا آخر اسی کی بدولت اس کا زوال ہوا، فتح چتوڑ کے بعد جب ہمایون نے بہادر شاہ پر حملہ کیا ہے تو رومی خان کے مشورہ سے توپون کا قلعہ بنا کر بہادر شاہ مع تمام لشکر کے بیچ مین ہو گیا، ہمایون نے یہ تدبیر کی کہ اس کا محاصرہ کر کے خاموش بیٹھ رہا۔ اور رسد کی آمد و رفت بند کر دی جس سے لشکر مین ایسا قحط پڑ گیا، کہ آخر سلطان بہادر کو بھاگ جانا پڑا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت سلطان کے پاس کتنی بڑی تعداد مین توپین موجود تھین،

اس وقت تک توپ سے قلعہ اور میدان مین کام لیا جاتا تھا، لیکن مجرمون کو سزا دینے کیلئے کبھی استعمال نہین کیگئی تھی، جب سلطان سکندر گجراتی قتل کر دیا گیا، اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا،

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۲۳، نولکشور،

اور قاتل پکڑ کر اس کے سامنے لائے گئے، تو اُس نے تاتل عماد الملک خوش قدم کو توپ سے اڑانے کا حکم دیا ہے، گجرات مین یہ پہلا واقعہ ہے،

ظفر الوالہ مین ہے:۔

وفی اثناء ذلک جئی بعماد الملک وامر بہ فی فم المدفع نفعل بہ ما یفعل بالعطب قوس الندّاف[1]،	اس درمیان مین عماد الملک حاضر کیا گیا، حکم ہوا کہ توپ کے منہ پر رکھ کر اس کو اڑا دو، جب توپ چھٹی، تو وہ ایسا تھا جیسے نداف روئی دھنک دیتا ہو،

---

[1] ظفر الوالہ دفتر اول ص ۲۴۰ لیڈن،

(باقی)

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کیگئی ہے، قیمت: عہ صر

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بہت سے حقایق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت للعہ ضخامت ۔۔۔ صفحے،

"منیجر"

عربی نظم و نثر کی مختصر تاریخ

دورِ جاہلیت

از

مولانا عبد السلام ندوی

یہ بتانا سخت مشکل ہے، کہ زمانۂ جاہلیت مین عربی شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کیونکہ قدرتی طور پر ہر چیز ابتدا مین ناقص ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے، لیکن زمانۂ جاہلیت کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہین، وہ صورۃً اور معنیً ہر حیثیت سے مکمل ہین، نہ اُن کے وزن مین کوئی خرابی ہے، اور نہ اُن کے معنی مین کوئی نقص ہے، نہ طریقۂ ادا مین کوئی ناہمواری ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اشعار سے پہلے شعرار کا ایسا کلام ضرور موجود رہا ہوگا، جس مین اس قسم کے تمام نقائص موجود رہے ہون گے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے اس نے موجودہ قصائد اور معلقات کی شکل اختیار کی ہوگی، عرب کے قدیم ترین شعرار کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُن سے پہلے بھی چند شعرار موجود تھے، جن کا کلام ہم تک نہین پہنچا، مثلاً امرء القیس جو عربی زبان کا پرانا شاعر ہے کہتا ہے:-

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا　　نبکی الدیار کما بکی ابن خذام

"کھنڈرون پر ٹھہر جاؤ کہ ہم اُن اجڑے ہوے گھرون پر ابن خذام کی طرح روئین"

لیکن ابن خذام کا کوئی شعر ہم تک نہین پہنچا ہے،

عنترہ کہتا ہے:-

هل غادر الشعراء من متردم

کیا شعرار نے کوئی مضمون چھوڑ دیا ہے

لیکن ان شعرار کے کلام سے ہم ناواقف ہین،

عربی زبان کے قدیم ترین اشعار جو ہم تک پہنچے ہین، وہ جنگ بسوس کے زمانہ مین یا اس سے کچھ پہلے کہے گئے ہین، یعنی ہجرت سے ایک سو تیس سال پہلے کے اشعار کا ہم کو علم ہے؛ لیکن اس زمانہ سے پہلے جو شعرار گذرے ہین، اُن کے کلام کا کوئی علم نہین، تاہم اس زمانہ کے شعرار جو کچھ کہتے تھے، اُن کی تعداد چند اشعار سے زیادہ نہین ہوتی تھی، اس کے بعد دوسرے شعرار نے ترقی کی، اور قصائد کہنے لگے، اور مورخین کے بیان کے مطابق سب سے پہلے امرء القیس کے ماموں مہلہل بن ربیعہ اور خود امرء القیس نے پانچوین صدی عیسوی کے اخیر مین طویل قصائد لکھے، بہرحال عربی شاعری کی ابتدا رجز سے ہوئی، جس کی بحر نہایت آسان تھی، اس کے بعد شعرا نے دوسری بحرون مین اشعار کہے، اور زمانۂ جاہلیت مین نہایت کثرت سے شعرار پیدا ہوئے، اور تقریباً ہر قبیلہ مین شعرار کی ایک خاصی تعداد موجود تھی، لیکن سب کے سب نے عام شہرت حاصل نہین کی، بلکہ جن شعرار نے حاصل کی وہ سب کے سب شمال یعنی حجاز اور اس کے ملحقات کے باشندے تھے، ان مین بعض تو یمنی تھے، جو شمال مین آکر آباد ہوگئے تھے، مثلاً امرء القیس، افوہ الاودی اور حاتم طائی یمنی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن انھون نے شمال مین آکر شہرت حاصل کی، اور بعض عدنانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً مہلہل، مرقش اکبر، مرقش اصغر، طرفہ، حارث بن حلزہ، متلمس اور اعشیٰ قبیلہ ربیعہ کے شاعر تھے اور بعض کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا،

جن قبائل میں مشہور شعراء پیدا ہوئے، وہ صرف دو ہیں،

۱۔ قیس:۔ نابغہ ذبیانی، زہیر بن ابی سلمیٰ، کعب، لبید اور حطیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،

۲۔ تمیم:۔ اوس بن حجر اسی قبیلہ سے تھا،

مورخین ادب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے شاعری قبیلہ ربیعہ سے شروع ہوئی، پھر قبیلہ قیس میں منتقل ہوگئی اس کے بعد قبیلہ تمیم میں جاکر پختگی حاصل کی،

اہل عرب کی زندگی پر شاعری کا اثر

عرب میں شاعر ہر قبیلہ کے لئے ایک ضروری شخص تھا، جو اس کے فضائل کا اعلان کرتا تھا، اپنے اشعار کے ذریعہ سے اس کے دشمنوں کی چالوں کو ناکامیاب بناتا تھا، لڑائیوں میں اس کو جوش دلاتا تھا، اور صلح میں اس کو سوجھ بوجھ کی باتیں سکھاتا تھا، اس لئے ہمارے زمانہ میں مختلف پارٹیوں کے اخبارات کا جو درجہ ہے، وہی زمانۂ جاہلیت میں ہر قبیلہ کے شاعر کا تھا، بالخصوص جنگ کے زمانہ میں وہ ایک فوجی باجہ تھا، جو لڑنے والوں کے دلوں میں جوش پیدا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے شاعر پر فخر کرتا تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں لکھا ہے، کہ

"جب عرب کے کسی قبیلہ میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبائل آآکر اس کو مبارکباد دیتے تھے، دعوتیں ہوتی تھیں، عورتیں شادی بیاہ کی تقریبات کی طرح جمع ہوکر گاتی بجاتی تھیں، مرد اور بچے سب کے سب خوشیاں مناتے تھے"

شاعر کی مدح و ذم کا یہ اثر تھا کہ وہ اپنی مدح کے ذریعہ پست درجہ اشخاص کو بلند اور ہجو کے ذریعہ بلند رتبہ اشخاص کو پست کر دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ لوگ شعراء کی بڑی عزت کرتے تھے تاکہ ان کی ہجو سے بچ جائیں، یا ان کی مدح سے متمتع ہوں،

اس کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے شعراء ذہنی اور عقلی حیثیت سے بھی ممتاز ہوتے تھے، اور انھوں نے زندگی کے بہت سے مسائل کو اور لوگوں سے بہتر طریقہ پر سمجھا، اور ان کو شاعرانہ قالب میں ڈھالا، بہت سے مسائل ایسے تھے جن کو اہل عرب سمجھتے تو تھے، لیکن ان کو بہترین طریقہ پر بیان نہیں کر سکتے تھے، لیکن شعراء نے ان کے جذبات اور محسوسات کو عمدگی کے ساتھ بیان کیا، غیر متمدن قوموں میں شعراء کی حیثیت وہی ہوتی ہے، جو متمدن قوموں میں علماء و حکماء کی ہوتی ہے، اور زمانۂ جاہلیت کے شعراء نے عرب میں یہی حیثیت حاصل کر لی تھی،

زمانۂ جاہلیت کے انواع شاعری

اہل یورپ نے شعر کی چار قسمیں کی ہیں،

۱۔ رزمیہ جس میں صرف جنگی اور فوجی واقعات بیان کئے جاتے ہیں،

۲۔ تاریخی جس میں قومی مفاخر قصے کی صورت میں بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً ہومر کی ایلیڈ اور فردوسی کا شاہنامہ،

۳۔ غنائی جس میں ایک شاعر صرف اپنے جذبات کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً غزل اور فخریہ،

۴۔ تمثیلی یعنی ڈرامہ جس میں چند اشخاص کسی واقعہ کو مجسم شکل میں نمایاں کرتے ہیں،

ان اقسام میں زمانہ جاہلیت کے شعراء نے طویل رزمیہ نظمیں نہیں لکھیں، اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اس کثرت سے لڑائیاں ہوئیں کہ اگر ان کے واقعات نظم کئے جاتے، تو طویل رزمیہ داستانیں تیار ہو جاتیں، لیکن ابھی تک اہل عرب کے تخیل میں اس قدر وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان طویل واقعات کو شاعرانہ قالب میں ڈھال سکتے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ رزمیہ شاعری ایک قسم کی ادبی تاریخ ہوتی ہے، یعنی تاریخی واقعات کو شاعرانہ قالب میں ڈھالنا پڑتا ہے، لیکن تاریخی واقعات کی نظم و ترتیب کے لئے تمدنی ترقی کی ضرورت ہے، اور اہل عرب نے اس قدر تمدنی ترقی نہیں کی تھی، بایں ہمہ چھوٹے چھوٹے سادہ قصے عربی شعراء نے نظم کئے ہیں،

مثلاً عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ کے معلقات مین اس قسم کے قصے موجود ہین،

یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ دورِ جاہلیت کی شاعری مذہبی اثرات سے بالکل خالی ہے، عرب ایک بت پرست قوم تھی، اور وہان سیکڑون بت پوجے جاتے تھے، لیکن اُن کی شاعری مین کہین ان بتون کا نام اور اُن کی پرستش کے طریقون کا ذکر نہین آتا، کبھی کبھی وہ لات وعزیٰ کی قسم ڈکھا لیتے ہین، لیکن عام طور پر اُن کی شاعری مذہبی تاثرات وجذبات سے خالی ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے شعراء ہر زمانہ کے شعراء کی طرح آزاد خیال اور مذہبی جذبات سے خالی ہوتے تھے، اس کا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمانۂ اسلام کے راویانِ اشعار نے اس قسم کے اشعار کی روایت کو مذہب کے خلاف سمجھ کر چھانٹ دیا، بہرحال دورِ جاہلیت کی شاعری تاریخی واقعات اور مذہبی اثرات سے خالی ہے، عام طور پر اُن کی شاعری غنائی ہے اور اس صنف کے تحت مین غزل، فخریہ، مرثیہ، مدح وذم اور وصف داخل ہین، اور دورِ جاہلیت کی عربی شاعری کا تمامتر سرمایہ یہی ہے، بقیہ انواع جستہ جستہ اُن کے کلام مین پائے جاتے ہین، لیکن ان اصناف مین بھی ہجو کا عنصر عربی شاعری کا جزوِ غالب ہے، کیونکہ قبائلِ عرب مین متصل لڑائیون کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور جاہلی شعرا تلوار کی زبان کا جواب اپنی شاعرانہ زبان سے دیا کرتے تھے، اسی سلسلہ مین اگر ایک طرف وہ اپنے دشمنون کے معائب کو دل کھول کر بیان کرتے تھے، تو دوسری طرف اپنی قوم کے محاسن کو خوب چمکاتے تھے، اس لئے ہجو کے بعد فخریہ ان کی شاعری کا دوسرا نمایان عنصر تھا،

یہی حال غزل کا بھی تھا کہ وہ قصائد کی تشبیب مین عورتون کے حسن وجمال اور اپنے عشق ومحبت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، البتہ اس صنف مین شعراء کی حالت مختلف تھی، امرأالقیس کے مضامین مین عریانی اور فحاشی پائی جاتی تھی، اس کے بخلاف عنترہ اور زہیر کے عاشقانہ

خیالات، نہایت متین، سنجیدہ اور پاکیزہ ہوتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ شعرائے جاہلیت کے کلام مین شراب وکباب کا ذکر بہت کم آتا ہے، اور جہان آتا ہے اس کا تعلق ایرانی شاعری کی طرح بزمِ عیش کی رنگینیون سے نہین ہوتا، بلکہ اس پردے مین وہ اپنی فیاضی پر فخر کرتے ہین،

وہ حکیمانہ اور اخلاقی شاعری بھی کرتے تھے، اور شنفری اور زہیر نے اس صنف مین امتیازی حیثیت پیدا کی ہے،

اپنے گرد وپیش کے مناظر کی تصویر بھی جس کو شاعرانہ اصطلاح مین وصف کہتے ہین، وہ نہایت خوبی کے ساتھ کھینچتے تھے، مثلاً امرؤ القیس نے رات، لبید، اور طرفہ نے اونٹنی کی رفتار، شنفری نے بھوکے بھیڑیون، نابغہ نے نہر فرات، عنترہ نے نیزون کے چلنے کی حالت اُس کیفیت کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھایا ہے، اور اس صنف مین انھون نے نہایت عمدہ تشبیہات پیدا کی ہین، جو بالکل خیالی نہین ہین،

لفظی اور معنوی حیثیت سے دورِ جاہلیت کی شاعری کی خصوصیات

دورِ جاہلیت کی شاعری اہلِ عرب کی اجتماعی زندگی کا نہایت صحیح مرقع تھی، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شاعری عرب کا دفتر تھی، جس مین اُن کی لڑائی، تاریخ، اخلاق وعادات، عقل وذہانت کے رجسٹر مرتب کرکے رکھے جاتے تھے، اور دورِ جاہلیت کا ہر شاعر ان رجسٹرون مین وہی واقعات درج کرتا تھا، جن کو وہ آنکھون سے دیکھتا تھا، اور دل سے محسوس کرتا تھا، اور ان واقعات کو وہ انہی الفاظ مین بیان کرتا تھا، جو نہایت صحت کے ساتھ ان پر دلالت کرتے تھے، یہ وہ خصوصیت ہے جس مین دورِ جاہلیت کے شعراء کا کلام بعد کی عربی شاعری سے علانیہ ممتاز نظر آتا ہے، کیونکہ جاہلی شعراء کا کلام ایجاد تھا، تقلید نہ تھا، لیکن بعد کے عربی شعراء نے صرف اُن کی تقلید کی، اس لئے ان کی شاعری اُن کی زندگی کی اصلی تصویر نہ تھی،

شعراے جاہلیت کے کلام کی ایک اور خصوصیت بے تکلفی اور سادگی ہے، اور یہ اُن کی سادہ بدویانہ زندگی کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر اُن کے اشعار غلو اور مبالغہ سے خالی ہوتے ہین، اُن کے الفاظ مین بھی یہی سادگی ہوتی ہے، اس لئے ان کے کلام مین لفظی صناعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

اگر ہم مرثیہ کو مستثنیٰ کرلین تو ان کے قصائد کا ایک ہی انداز ہوتا ہے، پہلے وہ کسی عورت کے ساتھ تشبیب کرتے ہین، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک جگہ سے سفر کرتے ہین، راہ مین معشوق کے کھنڈر پر گذر ہوتا ہے، تو وہان ٹھہر کر گریہ وزاری کرتے ہین، اور اسی سلسلے مین اس کے حسن و جمال اور اپنے عشق و محبت کا ذکر بھی کرتے ہین پھر اپنے گھوڑے یا اونٹنی کی تیز رفتاری کا تذکرہ کرتے ہین، اور اُن کو اُن جنگلی جانورون سے تشبیہ دیتے ہین جن سے وہ واقف ہوتے ہین، جو چیزین راستہ مین اُن کی نظر سے گذرتی ہین، اُن کا ذکر بھی کرتے ہین، اس کے بعد اصل مطلب پر آتے ہین، لیکن اُن کی تشبیب اور گریز مین کوئی ربط و علاقہ نہین ہوتا، قصیدے کا خاتمہ بھی اسی بے تکلفی سے کرتے ہین، کبھی کبھی قصیدے کے اخیر مین چند حکیمانہ شعر بھی کہہ جاتے ہین،

ان تمام خصوصیات کی واضح ترین مثالیں وہ قصائد ہین، جو "معلقات" کے نام سے مشہور ہین، ان مین سب سے بڑے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو پانچ شعر اور سب سے چھوٹے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۶۴ ہے،

اس موقع پر دو باتون کا ذکر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے،

۱- ایک یہ کہ شعراے جاہلیت کا کلام خلافت عباسیہ کے پہلے دور مین قید تحریر مین آیا، اس دور سے پہلے اس کی روایت زبانی طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ زمانہ جاہلیت مین ہر شاعر کے اشعار کا ایک خاص راوی ہوتا تھا، جو اس کے اشعار کو یاد کرتا اور اس کی روایت کرتا تھا، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جو شخص راوی ہوتا تھا، وہ خود بھی شاعر ہوتا تھا، مثلاً امرؤ القیس، ابی

دواد الایادی، زہیر اوس بن حجر تمیمی اور حطیئہ عبسی زہیر مزنی کے راوی تھے، اور خود بھی بہت بڑے شاعر تھے، لیکن چونکہ شعر کہنے کے ساتھ ہی اشعار جاہلیت قید تحریر مین نہین لائے جاتے تھے، اس لئے شعراے جاہلیت کے بعض اشعار مشکوک سمجھے جاتے ہین اور بہت سے اشعار کی روایت مختلف الفاظ مین کی جاتی ہے،

۲- دوسرے یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے تمام اشعار ہم تک عدنانی زبان مین پہنچے ہین، یمنی زبان کا کوئی شعر ہم تک نہین پہنچا ہے، حالانکہ یمنی زبان عدنانی زبان سے بہت سی باتون مین مختلف تھی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کا شمالی حصہ دورِ جاہلیت کی شاعری کا مرکزی مقام تھا، اور اسلام سے بہت پہلے ایسے مؤثرات پیدا ہوگئے تھے جنھون نے عرب کی زبانون مین اتحاد پیدا کر دیا تھا، اور قریش کی زبان کو ان سب پر فضیلت حاصل ہو گئی تھی،

۱- ان مین پہلا موثر تو یہ تھا کہ بہت سے یمنی قبائل قبیلۂ مضر کے وطن یعنی شمال مین ہجرت کر کے آگئے تھے، اور انھی کی زبان بولنے لگے تھے، خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے قریش کے وطن مکہ مین جو مختلف قبائل آتے رہتے تھے، وہ بھی قریش کی زبان سے متاثر ہوتے رہتے تھے،

۲- دوسرا موثر یہ تھا کہ عرب کے مختلف بازارون اور میلون مین عرب کے قبائل جمع ہو کر اپنے اشعار اور اپنے خطبات پیش کرتے تھے، اور ان مین سب سے اہم عکاظ کا بازار تھا جو مکہ کے قریب تھا،

۳- تیسرا سبب یہ تھا کہ قرآن قریش ہی کی زبان مین نازل ہوا تھا، اس لئے راویون نے اس زبان کے علاوہ دوسری زبانون کے اشعار کی روایت ہی نہین کی، کیونکہ ان زبانون کے اشعار سند مین پیش نہین کئے جا سکتے تھے، اور حمیر کی زبان مضر کی زبان کے مقابل مین ایک عجمی زبان سمجھی جاتی تھی، با این ہمہ یمنی شعراء کے اشعار حمیری الفاظ سے بالکل خالی نہین ہین، مثلاً امرء القیس جو یمنی قبائل سے تعلق

رکھتا ہے کہتا ہے :-

"وان شفائی عبرۃ مھراقۃ"

اس شعر مین "اہراق" کا فعل یمنی زبان کا لفظ ہے، اس کے برخلاف مضری زبان کا لفظ "اراق" ہے،

معلقات شعرائے جاہلیت کے قصائد مین چند طویل قصیدون کا نام معلقات" ہے، جس کے معنی لٹکائے جانے کے ہین اور اُن کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اہل عرب نے قدیم شاعری کے سات قصیدون کا انتخاب کیا، اور اُن کو عمدہ ریشمی کپڑون مین سنہرے حروف سے لکھ کر خانہ کعبہ کے پردون مین آویزان کیا، اسی بنا پر ان قصیدون کو معلقات کی طرح مذہبات بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ قصیدے جو سنہرے حروف مین لکھکر خانہ کعبہ کے پردون مین لٹکائے گئے، ابن عبد ربہ نے اپنی کتاب عقد الفرید مین، ابن رشیق نے اپنی کتاب العمدہ مین اور ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین اسی روایت کی تائید کی ہے، اور یہ تینون مصنف مغرب یعنی اندلس کے رہنے والے ہین، لیکن بہت سے علماء نے اس روایت کا انکار کیا ہے، اور ان کا خیال ہے کہ عباسی دور مین حماد راویہ المتوفی ۱۵۶ھ نے جب دیکھا کہ لوگون مین شاعری کا ذوق کم ہو رہا ہے، تو اس نے ان قصائد کو جمع کیا، اور ان کا نام "مشہورات" رکھا، بہرحال ان علماء کے نزدیک یہ روایت صحیح نہین ہے کہ یہ قصائد خانہ کعبہ کے پردون مین آویزان کئے گئے، اس مسئلہ مین دور جدید کے محققین مین بھی باہم اختلاف ہے، اور سب نے مختلف دلائل سے اپنے اپنے نظریہ کی تائید کی ہے،

ان قصائد اور ان قصائد کے کہنے والے شعراء کی تعداد مین بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اُن کی تعداد آٹھ اور بعض کے نزدیک دس ہے، لیکن اُن کی مشہور تعداد سات ہے، اور جن شعراء نے یہ قصائد کہے ہین، ان کے نام یہ ہین، امرء القیس، زہیر، طرفہ، لبید، عنترہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ،

۱- امرء القیس امرء القیس شاہی خاندان کا آدمی تھا اور رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس لئے اسکی شاعری اس کی زندگی کا صحیح مرقع ہے جس مین سیر و شکار، شراب و کباب اور معشوقون کے اختلاط اور میل جول کا ذکر اکثر آتا ہے، لیکن وہ عاشقانہ مضامین کو اس قدر عریانی اور بیباکی کے ساتھ بیان کرتا ہے، جو فحاشی کی حد تک پہنچ جاتی ہے، بااین ہمہ تمام مورخین ادب کے نزدیک سب سے پہلے اس نے عربی شاعری مین نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور اس مین نئے نئے اصناف کا اضافہ کیا، سب سے پہلے اس نے غزل کی ابتدا کی، اور مناظر قدرت پر طویل نظمین لکھین، اور نئی نئی تشبیہین پیدا کین،

اس کے مجموعۂ اشعار مین سب سے زیادہ شہرت اس کے معلقہ کو حاصل ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس کو اپنے ایام شباب مین کہا ہے اور اس مین اپنی چچازاد بہن عنیزہ کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا واقعہ بیان کیا ہے، اس مین سب سے پہلے اس نے معشوق کے کھنڈر پر گریہ وزاری کی ہے، پھر عاشقانہ خیالات کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور دوستون کے ساتھ اپنی رندانہ صحبتون بالخصوص دارۃ جلجل کے دن کا ذکر نہایت عریان الفاظ مین کیا ہے، اس کے بعد بہت سے قدرتی مناظر دکھائے ہین، اور اس سلسلہ مین سب سے پہلے رات کی درازی کی تصویر کھینچی ہے، پھر ایک ویران میدان کا نقشہ کھینچا ہے، اس کے بعد اپنے گھوڑے کے ڈیل ڈول اور اس کی تیز رفتاری کا منظر دکھایا ہے، پھر نیل گاؤ کے شکار کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد بجلی کے چمکنے اور پانی کے برسنے کی کیفیت دکھائی ہے، اور ان سب کا خاتمہ اس پر کیا ہے کہ چڑیون نے جب بارش اور بارش کی پیدا کی ہوئی تر و تازگی دیکھی ہے تو چہچہانے لگی ہین،

اس کے دیوان مین اور بھی بہت سے بڑے بڑے قصیدے ہین، جن کا امتیازی وصف منظر نگاری ہے، بالخصوص وہ گھوڑے، اور سیر و شکار کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھاتا ہے، اسی طرح وہ نئی نئی تشبیہات کا ڈھیر بھی لگا دیتا ہے، مثلاً عورتون کو ہرن، اور انڈے سے اور گھوڑے کو عقاب اور

عمارے سب سے پہلے اُسی نے تشبیہ دی ہے، اور اس کے بہت کم اشعار تشبیہ سے خالی ہوتے ہین، اُس نے
شام اور یمن کے جو بہت سے سفر کئے ہین، انھون نے بھی اُس کے خیالات مین وسعت پیدا کی ہے، اور نئے
نئے الفاظ کے استعمال کا موقع دیا ہے، چنانچہ اُس نے اپنے محبوب کے جلوؤن کو راہب کے چراغ اور
اس کے سینے کو سجنجل سے تشبیہ دی ہے، اور یہ سجنجل رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی آئینہ کے ہین،

امرء القیس نے بہت سے اشعار ایسے لکھے ہین، جو عربی زبان مین ضرب المثل ہوگئے ہین،

۲- طرفہ | طرفہ قبیلہ ربیعہ کا شاعر ہے اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بحرین مین رہتا تھا، و مختلف شہرون
کی سیاحت کرکے رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس طرح جب اُس نے شراب و کباب مین اپنا سارا
مال ضائع کردیا تو پھر اپنے اعزہ و اقربا کے پاس واپس آیا، اور اس کے بھائی نے اس کی مالی امداد
کی، لیکن اس مال کو بھی اُس نے اُڑا دیا، اس کے بعد اس نے عمرو بن ہند کے دربار کا قصد کیا، جو ۵۵۴ء مین
تخت نشین ہوا تھا، اور شعراء کا بڑا قدردان تھا، عمرو بن ہند نے اس کا خیر مقدم کیا، اور اپنے بھائی قابوس
کا مصاحب بنا دیا، جو رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور سیر و شکار کا بڑا شوقین تھا، طرفہ بھی اس کی رنگین
صحبتون مین شریک ہوتا تھا، اور اُس کے ساتھ سیر و شکار کو بھی جاتا تھا، لیکن وہ بذات خود ایک آزاد
شخص تھا، اور مصاحبت کی ذلیل زندگی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے اُس نے عمرو بن ہند اور اس کے
بھائی قابوس کی ہجو لکھی، جس کے پاداش مین عمرو بن ہند نے اُس کو حیلہ سے قتل کرا دیا،

اس نوجوان شاعر کا جس نے ۲۶ سال کی عمر مین وفات پائی ہے سب سے بڑا شاعرانہ کارنامہ اس کا
یہی طویل معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۱۰۵ ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے عمرو بن ہند کے
دربار مین پہنچنے سے پہلے اس معلقہ کو لکھا ہے جب کہ وہ اپنا تمام مال رندی اور اوباشی مین تلف کرچکا تھا،
اور اپنی قوم مین خالی ہاتھ واپس آیا ہے، اس کے معلقہ کا موضوع خود اس کے ذاتی حالات اور زندگی
کے متعلق اس کا خاص زاویۂ نگاہ ہے، اُس نے اس مین کسی کی مدح نہین کی ہے، اور تغزل کے جو

اشعار اس نے لکھے ہین، وہ صرف رسمی ہین، خود اس کے معلقہ کا اصلی موضوع نہین ہے، اس کے
اشعار سے علانیہ اس کے وطن اور اس کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے، کیونکہ ہم ابھی بیان کرچکے ہین
کہ وہ بحرین یعنی خلیج فارس کا باشندہ تھا، جہان کشتی رانی کا منظر ہمیشہ اس کی آنکھون کے سامنے
رہتا تھا، اسی لئے اُس نے اپنے معشوقہ خولہ کی سواری کو کشتی سے اور اونٹ کی رفتار کو کشتی کے
چلنے سے تشبیہ دی ہے، اس نے اپنی معشوقہ کی اونٹنی کے وصف کو بھی نہایت طول دیکر لکھا ہے
اور اس کے متعلق ۳۰ شعر لکھے ہین، جس مین نئی نئی تشبیہین پیدا کی ہین، مثلاً اس کی ہڈیون کو تابوت
کے تختے سے اُس کے دُم کے بال کو گدھ کے سفیدی مائل پرون سے، اس کی رانون کو شاندار محل
کے پھاٹک سے، اس کے قد و قامت کی بلندی کو رومی پل سے اور اس کی گردن کو کشتی کے پتوار
سے تشبیہ دی ہے، اس کے بعد اس نے قصیدہ کے اصل مقصد کی طرف گریز کی ہے یعنی اپنی ذات پر
فخر کیا ہے، اور اپنے اوصاف گنائے ہین، اور یہ دکھایا ہے کہ اس نے زندگی کو کس نگاہ سے دیکھا
ہے، اس کے ذاتی اوصاف یہ ہین کہ وہ بڑا بہادر، بڑا فیاض، صاحب رائے اور بڑا عالی نسب ہے،
اس نے اپنی رندی و ہوسناکی کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ وہ اس مین اس قدر منہمک ہوا کہ اس کو اس کی
قوم نے برادری سے خارج کردیا، پھر ان لوگون پر خود لعنت ملامت کرتا ہے کہ جب زندگی چار دن
کی چاندنی ہے، تو اس کو لطف و مسرت کے ساتھ کیون نہ گذارا جائے، گویا وہ پہلا عربی شاعر ہے
جس نے سب سے پہلے خواجہ حافظ اور خیام کے فلسفۂ زندگی کی بنیاد قائم کی، سب سے اخیر مین اس نے
چند حکیمانہ اشعار پر اس قصیدہ کو ختم کیا ہے، بہرحال یہ قصیدہ عرب کے بہترین قصائد مین اس لئے
شمار کیا جاتا ہے کہ وہ چند جدید مضامین پر مشتمل ہے، جو الفاظ کی سلاست اور معانی کی وضاحت
کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، اور قبیلہ ربیعہ کی تمام شاعری کا یہ امتیازی وصف ہے، اس قصیدہ
کا ایک خاص امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ عرب کے ایک خاص طبقہ یعنی لذت پرست لوگون کی

اجتماعی زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ قائم کرتا ہے، جو شراب و کباب پر اپنی دولت کو قربان کر دیتا ہو اور چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھتا ہے، اس کے برعکس عرب میں ایک طبقہ اور بھی تھا جس کی زندگی کی شرح و تفسیر جیسا کہ آگے آئے گا زہیر کرتا ہے،

۳- عمرو بن کلثوم | قبیلۂ تغلب سے تعلق رکھتا ہے، جو جزیرہ اور جزیرہ کے اطراف میں رہتا تھا، اور عرب کا معزز ترین قبیلہ شمار کیا جاتا تھا، اس کا باپ اپنی قوم کا سردار تھا، اور اسکی ماں عرب کے مشہور شاعر مہلہل کی بیٹی تھی، قبیلۂ تغلب اور قبیلۂ بکر میں ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی، اور جنگ بسوس جو عرب کی مشہور لڑائیوں میں ہے، انہی دونوں قبیلوں میں ہوئی تھی لیکن حیرہ کے بادشاہ منذر نے ان دونوں قبائل میں مصالحت کرا دی، اور جب اس کا بیٹا عمرو بن ہند اس کی جگہ حیرہ کا بادشاہ ہوا، تو اس نے بھی اپنے باپ کی تقلید کی، سوء اتفاق سے ایک موقع پر پھر دونوں قبیلوں میں جنگ کی صورت پیدا ہو گئی جس میں قبیلۂ تغلب کے بہت سے لوگ کام آئے، قبیلۂ تغلب نے قبیلۂ بکر سے اُن کی دیت طلب کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے پیش کیا، اور دونوں قبیلوں نے اس موقع پر باہم مفاخرت کی، اس وقت قبیلۂ تغلب کا سردار عمرو بن کلثوم اور قبیلۂ بکر کا شاعر حارث بن حلزہ تھا، اسی موقع پر عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ نے اپنے اپنے معلقہ کا ایک حصہ کہا جس میں دونوں نے اپنے اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کئے،

ایک روایت یہ ہے کہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے ایک بار اپنے ہمنشینوں سے کہا کہ "کیا تمہارے علم میں عرب کا کوئی شخص ایسا بھی ہے، جس کی ماں میری ماں کی خدمت گذاری کو اپنے لئے عار سمجھے"، اُن سب نے کہا کہ "صرف عمرو بن کلثوم کی ماں لیلی ایک ایسی عورت ہے، کیونکہ اس کا باپ مہلہل اور اس کا چچا کلیب وائل عرب میں سب سے زیادہ معزز سمجھے جاتے ہیں، اور اس کا شوہر کلثوم بن عتاب عرب کا سب سے بڑا شہسوار اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم اپنے قبیلے

کا سردار ہے"، یہ سن کر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم سے ملاقات کی خواہش کی، اور ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ اس کی ماں بھی اس کی ماں سے ملاقات کرے، اور عمرو بن ہند نے اس کی خواہش پوری کر دی، عمرو بن ہند نے پہلے ہی سے اپنی ماں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ خادموں کو اپنے پاس سے ہٹا دے اور جب لیلی آئے، تو اس سے خدمت گذاری کا کام لے، اس بنا پر عمرو بن ہند کی ماں نے لیلی سے کہا کہ "مجھے یہ طشت اٹھا کر دیدو"، لیلی نے کہا کہ صاحب حاجت کو اپنی حاجت خود پوری کرنی چاہئے، اس نے پھر یہی خواہش کی، اب لیلی بے اختیار پکار اٹھی کہ "ہائے قبیلۂ تغلب کی ذلت!" عمرو بن کلثوم نے اپنی ماں کی یہ آواز سُنی تو غصہ سے تملا اٹھا، اور خود عمرو بن ہند کی تلوار سے جو سامنے لٹک رہی تھی، عمرو بن ہند کا کام تمام کر دیا، اور اُس نے اپنے معلقہ کے ایک حصہ میں اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے، اگرچہ عمرو بن کلثوم نے بڑی عمر پائی، لیکن اس معلقہ کے سوا اس کے بہت کم اشعار ہم تک پہونچے ہیں، اس معلقہ کی ابتدا میں اس نے اپنی شراب خواری کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد چند شعر غزل کے کہے ہیں، پھر قصیدہ کے اصل موضوع کی طرف رجوع کیا ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے دو حصے ہیں، اور دونوں مختلف اوقات میں کہے گئے ہیں، پہلا حصہ اوس وقت کہا گیا ہے، جب اس کی قوم کا معاملہ فیصلہ کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اور اس موقع پر قبیلہ بکر و تغلب میں مفاخرت ہوئی ہے، اور اس نے اپنی ذات، اپنی قوم اور اپنی قوم کے جنگی کارناموں پر فخر کیا ہے،

اس معلقہ کا امتیازی وصف سلاست، زور بیان اور اپنے اور اپنی قوم پر انتہائی تفاخر ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایک قوم کے سردار کے دل و زبان سے نکلے ہیں، قبیلۂ تغلب پر اس معلقہ کا نہایت گہرا اثر پڑا، اور انہوں نے اس کو اپنا قومی ترانہ بنا لیا،

۴- حارث بن حلزہ | حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا سردار تھا، اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان

کیا ہے، قبیلہ بکر و تغلب مین باہم سخت دشمنی تھی، جس نے لڑائیون کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا تھا،
جس کے انسداد کے لئے لوگون نے مصالحت آمیز کوششین کین، لیکن یہ مصالحت بہت دنون تک
قائم نہ رہ سکی،

ہم نے عمرو بن کلثوم کے تذکرے مین بیان کیا ہے کہ عمرو بن کلثوم قبیلہ تغلب کا سردار
اور شاعر اور حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا شاعر تھا، اس لئے جب دونون قبیلون کا معاملہ تصفیہ
کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش ہوا، تو اس موقع پر عمرو بن کلثوم نے اپنے فخریہ معلقہ کا ایک حصہ
کہا، اور اس کے جواب مین حارث بن حلزہ نے اپنی قوم کے فخر آمیز کارنامے بیان کئے، اور عمرو
ابن کلثوم کے قول کی تردید کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اپنا معلقہ پڑھ کر سُنایا،

اگرچہ عمرو بن کلثوم نے اپنے قصیدہ مین نہایت پر زور طریقہ پر فخاری کی، لیکن عمرو بن ہند
نے اس کی طرف توجہ نہین کی، اور اس کی اور اس کی قوم کی عظمت کا اعتراف نہین کیا، بلکہ اسکے
اشعار مین ایک قسم کا اوچھا پن پایا جاتا ہے، لیکن حارث بن حلزہ ایک باوقار، بردبار اور مسن شخص ہے،
اس لئے وہ عمرو بن کلثوم کی تردید بھی باوقار طریقہ پر کرتا ہے، لیکن اس کی مٹھاس مین تلخی بھی پائی
جاتی ہے، وہ اپنی قوم کے جنگی کارنامون کو گنتا ہے، تو جنگ کے ناگوار نتائج کو تغلب کے سر تھوپ
دیتا ہے، اور آہستہ آہستہ عمرو بن ہند کو اپنی جانبداری کی طرف مائل کرتا ہے، اس لئے اس کی اور
اُس کی قوم کی مدح کرتا ہے، یہان تک کہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور اس سے اپنے قبیلہ کے
موافق فیصلہ کرا لیتا ہے،

اوس نے معلقہ کی ابتدا ر غزل یعنی تشبیب سے کی ہے، اور اپنی اونٹنی کے اوصاف گنائے ہین،
لیکن اس سے سرسری طور پر گذر کر اپنا اصل مقصد شروع کر دیا ہے، اور اخیر مین بہت سے ایسے اشعار
لکھے ہین، جو تاریخی اور سیاسی حیثیت سے بہت اہم سمجھے جاتے ہین، بہر حال عمرو بن کلثوم نہایت

خوددار اور بلند مرتبہ شخص تھا، جس نے اپنی ذات اور اپنی قوم کو عمرو بن ہند کی ذات اور اس کی قوم کے
ہم پلہ بنا دیا ہے، لیکن حارث بن حلزہ ایک ہوشیار، مدبر شخص ہے، جس نے اپنے سامنے ایک مقصد رکھا
ہے، جس کو تدبیر، اشارات اور خوشامد سے حاصل کر لیا ہے،

۵- عنترہ وہ قبیلہ مضر کے ایک مشہور قبیلہ عبس سے تعلق رکھتا ہے، جو نجد مین رہتا تھا، اس کی ماں
جس کا نام "زبیبہ" تھا، ایک حبشی لونڈی تھی، اور اہل عرب لونڈیون کی اولاد کو اپنا غلام سمجھتے تھے، البتہ
اگر وہ کوئی بڑا کام کرتے تھے، تو اُن کو اپنا لڑکا تسلیم کر لیتے تھے، اسی طریقہ کے مطابق عنترہ کو اس کا
باپ اپنا غلام سمجھتا تھا، لیکن ایک بار قبیلہ طے کے کچھ لوگ قبیلہ عبس کے کچھ اونٹ لوٹ لے گئے، تو عنترہ
نے ان پر حملہ کیا، اور اونٹون کو واپس لایا، اس کارنامہ کے صلہ مین اس کے باپ نے اس کو آزاد
کر دیا، اور اپنا بیٹا تسلیم کر لیا،

عنترہ اپنی ماں کی طرح سیاہ فام تھا، اور اس جسمانی عیب پر اپنی بہادری اور شجاعت سے
پردہ ڈالتا تھا، وہ اپنی آزادی سے پہلے اپنی چچا زاد بہن "عبلہ" پر فریفتہ تھا، لیکن اُس کا چچا اپنی بیٹی
کو ایک غلام کے نکاح مین دینا پسند نہین کرتا تھا، اس لئے عنترہ غلامی کے اس داغ کے مٹانے
کے لئے مجد و شرف کے حاصل کرنے کی سعی بلیغ کرتا تھا، اور اس جد و جہد نے اس کی شاعرانہ قوت
کو ابھار دیا، اور اوس مین شاعری، غیر معمولی بہادری اور مروت کے جوہر پیدا ہو گئے، اور اس طرح
جب وہ ایک آزاد سردار ہو گیا، تو اُس کے چچا نے عبلہ سے اس کی شادی کر دی،

اوس نے داحس اور غبراء کی لڑائی مین بھی شرکت کی، اور اس مین اپنی پامردی سے اپنی قوم
کے نام کو روشن کیا،

اس کے اشعار مین اس کا معلقہ سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے، جس کا امتیازی وصف شجاعت
اور بدویانہ اخلاق، فیاضی اور مروت کی تعریف ہے، اس معلقہ کی ابتدا اُس نے عبلہ کے عشق و محبت

سے کی ہے، اور چونکہ اپنے حسن وجمال اور اصل ونسب کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل نہین کر سکتا تھا، اس لئے اپنے جنگی کارنامون کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل کیا ہے، ان جنگی کارنامون کے علاوہ اس معلقہ مین وہ اکثر مکارم اخلاق کا ذکر بھی کرتا ہے،

اس کی شجاعت نے اس قدر دلچسپی پیدا کر لی کہ لوگون نے اس کے متعلق بہت سے من گڑھت قصے بنائے، اور اس کے دیوان مین ایسے بہت سے قصائد شامل کر دیئے جو ثقات کے نزدیک صحیح نہین ہین، بالخصوص عنترہ کے قصہ مین جو واقعات اور اشعار مذکور ہین، وہ بالکل خیالی ہین،

۶۔ زہیر

وہ مضر کے ایک قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتا ہے، جو بلاد غطفان مین آباد تھا، وہ ایک ایسے خاندان کا آدمی ہے جس مین بہ کثرت شعرا پیدا ہوئے، مثلاً اس کے باپ کا مامون بشامہ ابن الغدیر شاعر تھا، اور شاعری کے ساتھ حکیمانہ خیالات رکھتا تھا، اور صائب الرائے تھا، اس لئے قبیلہ غطفان کے لوگ جب جنگ کرنا چاہتے تھے، تو اس سے مشورہ لیتے تھے، اور اس کے مشورون پر عمل کرتے تھے، اور جب جنگ کرکے واپس آتے تھے، تو مالِ غنیمت مین سے اس کو وہی حصہ دیتے تھے، جو اپنے بہترین شخص کو دیتے تھے، زہیر نے اس کی صحبت مین اپنے اندر یہ دونون خصوصیتین پیدا کین، اسی طرح اس کی مان کا شوہر اوس بن حجر، اس کا باپ، اس کی بہن سلمی، اور اس کے دونون بیٹے کعب اور بجیر سب کے سب شاعر تھے،

قبیلہ غطفان کے دو قبیلے عبس وذبیان مین سخت عداوت تھی، اور اس عداوت نے غطفان کے ملک کو ایک میدانِ جنگ بنا دیا تھا، اور اس جنگ نے زمانۂ جاہلیت کے ادبی سرمایہ مین بڑا اضافہ کر دیا تھا، اور اس سلسلہ مین بہت سے فخریہ اشعار لکھے گئے تھے، بہت سی ہجوین لکھی گئی تھین، بہت سے اشعار کے ذریعہ سے جنگ، وانتقام پر ابھارا گیا تھا، اور واقعاتِ جنگ نے رزمیہ داستانون کا ایک ذخیرہ تیار کر دیا تھا، عنترہ عبسی کے بہت سے اشعار اسی جنگ کے آخری حالات سے تعلق رکھتے ہین،

اور زہیر نے بہت سے اشعار کے ذریعہ سے ان دونون قبیلون کو مصالحت کی طرف مائل کیا ہے، قبیلہ ذبیان کے دو سردار ہرم بن سنان اور حارث بن عوف نے ان دونون قبیلون مین صلح کرانے کی انتہائی کوشش کی تھی، اور مقتولین کی دیت کا بار بھی اپنے سر لے لیا تھا، اس بنا پر زہیر نے بھی ان کی تائید کی اور ان دونون کی مدح مین اشعار کہے، بالخصوص ہرم بن سنان کی بہت زیادہ مدح کی، اور ہرم نے بھی اس کو گران قدر صلے دیئے،

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر وفات پائی،

زہیر کی شاعرانہ خصوصیات یہ ہین کہ وہ ہرزہ گوئی سے نہایت احتراز کرتا تھا، بہت سے معنی کو تھوڑے سے الفاظ مین بیان کر دیتا تھا، غیر فصیح اور نامانوس الفاظ کو استعمال نہین کرتا تھا، اور ہر شخص کی مدح انہی اوصاف کے ساتھ کرتا تھا، جو درحقیقت اس مین موجود ہوتے تھے، وہ نہایت غور وفکر کے ساتھ شعر کہتا تھا، چنانچہ ایک مہینہ مین ایک قصیدہ لکھتا تھا، اور پورے ایک سال تک اسکی کانٹ چھانٹ مین مصروف رہتا تھا، اس بنا پر لوگ اس کے قصائد کو "حولیاتِ زہیر" کہتے تھے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا محو واثبات اس کے معلقہ اور چار طویل قصائد کے ساتھ مخصوص تھا، تاہم غور وفکر کا اثر اس کے تمام اشعار سے علانیہ ظاہر ہوتا ہے، اور اس کے اس غور وفکر مین متانت اور سنجیدگی کے آثار نمایان ہوتے ہین؛ وہ اپنے موضوع کے مناسب مضامین کا انتخاب کرتا ہے، اور ان مضامین کو بہترین الفاظ مین بیان کرتا ہے، نرمی کے مواقع پر نرمی سے اور سختی کے مواقع پر سختی سے کام لیتا ہے،

اسی طرح اس کا میلان حکیمانہ خیالات کی طرف پایا جاتا ہے، اُس نے زمانہ کا خوب تجربہ کیا ہے، اور لوگون کی نفسیات کا بڑا ماہر ہے، اور ایسے مضامین ایجاد کئے ہین، جو اس سے پہلے کسی کے خیال مین نہین آئے تھے، ابتدائے اسلام مین مسلمانون نے اس کے حکیمانہ خیالات کو

بہت پسند کیا ہے، اور بعض مسلمانون نے اس کو تمام شعرار پر ترجیح دی ہے، کیونکہ اس کے کلام مین صداقت پائی جاتی ہے، اور اس کے بعض خیالات اسلامی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین،

اس کا بہترین قصیدہ اس کا یہی معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۵۹ ہے، اس کا موضوع قبیلۂ عبس و ذبیان مین مصالحت کرانا اور ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کی مدح کرنا ہے، جنھون نے اس مصالحت کے لئے کوششین کی ہین، اس معلقہ کے ابتدائی ۱۵ اشعار مین اُس نے ام اوفی کے ساتھ تشبیب کی ہے، جو اس کی بی بی تھی، پھر ۱۰ شعر ہرم بن سنان اور حارث ابن عوف کی مدح مین کہے ہین، اس کے بعد آٹھ شعرون مین دونون جنگجو گروہون کو مخاطب کیا ہے، اور اُن کو مصالحت کی ترغیب دی ہے، اور ان اشعار مین جنگ کے مصائب اور صلح کی فضیلت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر حصین بن ضمضم پر چوٹ کی ہے جس نے فریقین کے آمادہ صلح ہوجانے کے بعد دوبارہ آتش جنگ کو بھڑکانا چاہا ہے، ۴۹ شعر تک پہنچکر اس نے چند حکیمانہ اشعار پر اپنے معلقہ کو ختم کیا ہے، اور ان مین بعض اشعار اُن کے اصل موضوع یعنی دعوت صلح سے مناسبت رکھتے ہین،

لیکن اس کے بعض اشعار بظاہر اس موضوع کے مخالف ہین، مثلاً اس شعر مین :-

ومن لا یذد عن حوضه بسلاحه   یهدم ومن لا یظلم یظلم

جو شخص اپنے حوض کی مدافعت اپنے ہتھیار سے نہین کرتا، اس کا حوض ڈھادیا جاتا ہے،
اور جو شخص ظلم نہین کرتا اوس پر ظلم کیا جاتا ہے"،

اُس نے ظلم کرنے اور ہتھیار اٹھانے کی ترغیب دی ہے، اور غالباً اس نے اپنے موضوع کو چھوڑ کر اہل عرب کی اصلی زندگی کو نمایان کیا ہے،

۱۰ لبید | وہ مضری قبیلہ کا آدمی ہے، اور اس کی مان قبیلہ بنو عبس سے تعلق رکھتی ہے،

زمانۂ جاہلیت مین وہ ایک بہادر اور فیاض شاعر تھا، اور زمانۂ اسلام مین مسلمان ہوکر مدتون زندہ رہا، یہان تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت مین وفات پائی، اوس نے زیادہ تر اشعار زمانۂ اسلام سے پہلے کہے ہین، اور اسلام لانے کے بعد اُس نے بہت کم شعر کہے، وہ ایک بدوی شاعر تھا اور اپنے اشعار مین بدویانہ صحرائی زندگی کا وصف بیان کرتا ہے، اس کے معلقہ مین اسی زندگی کے خال وخط نظر آتے ہین، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوس نے اس کو اپنے عہد شباب مین لکھا ہے، اور اس سے قبیلۂ مضر کی شاعرانہ متانت اور قوت کا اظہار ہوتا ہے،

اس معلقہ مین اوس نے سب سے پہلے اہل عرب کے عام دستور کے مطابق معشوق کے مٹے ہوئے کھنڈر پر ٹھہر کر گریہ وزاری کی ہے، پھر اپنی اونٹنی کے اوصاف بیان کئے ہین، اور اس کی تیز رفتاری کو بہت سی تشبیہات کے ذریعہ سے نمایان کیا ہے، کبھی اس کو بادل سے جس کو دکن کی ہوا اڑائے ہوئے لئے جارہی ہے، کبھی جنگلی گدہے سے کبھی نیل گاؤ سے جس کا بچہ گم ہوگیا ہے، اور وہ اس کی تلاش مین دوڑ دھوپ کر رہی ہے، تشبیہ دی ہے، اور ہر تشبیہ مین مشبہ بہ کے تمام اوصاف کا استقصار کیا ہے، جن سے ان تشبیہات مین نہایت زور اور مبالغہ پیدا ہوگیا ہے، اس کے بعد اپنی خودداری اور فیاضی کا ذکر کیا ہے، پھر اپنی قوم کی شجاعت، ذہانت اور دیانت کی تعریف کی ہے، اور اپنے دور شباب کے بعد اُس نے ادھیڑ عمر یا بڑھاپے مین جو اشعار کہے ہین، اُن مین حکمت آ مذہبی احساسات کے آثار نمایان ہین،

اصحاب معلقات کے علاوہ اور بھی بہت سے جاہلی شعرار ہین جو اُن سے شاعری اور شہرت مین کسی طرح کم نہین، لیکن اُن مین نابغہ ذبیانی اور اعشی سب سے زیادہ مشہور ہین، اور بعض علمار نے ان کو بھی اصحاب معلقات مین داخل کیا ہے،

نابغہ اس درجہ کا شاعر ہے کہ عکاظ کے میلے مین اس کے لئے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا جاتا تھا،

اور اس مین عرب کے تمام شعراء جمع ہو کر اس کو اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور وہ یہ فیصلہ کرتا تھا کہ ان
مین بہترین قصیدہ کس کا ہے، امرء القیس کے بعد نابغہ نے عربی شاعری کی ترقی کا ایک قدم اور آگے
بڑھایا اور سلاست، جزالت اور سادگی کے ساتھ نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور وصف نگاری مین
خاص شہرت حاصل کی، اعشیٰ ایک سیاح شاعر ہے، اور اس نے تمام جزیرۂ عرب کی سیاحت کی ہے،
اور اس سیاحت نے اس کے علم و تجربہ مین بڑا اضافہ کیا ہے، اور اُس نے چند تاریخی واقعات نظم کئے
ہین، اوس کے اشعار مین چند فارسی الفاظ پائے جاتے ہین، اور غالباً اس نے حیرہ کی سیاحت
مین یہ الفاظ سیکھے ہین، اس نے شراب و کباب، ندیم، ساقی، رقص و سرود کے متعلق بھی بہ کثرت
اشعار لکھے ہین، یہان تک کہ بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ شراب بناتا تھا، اور اس کی تجارت کرتا
تھا، بہرحال خمریات کی صنف مین وہ اخطل اور ابونواس کا پیشرو ہے، (باقی)

اعلان

یہ طے پایا ہے کہ خاص خاص موضوعون کی ہندی اور اردو مطبوعہ کتابون پر ہندستانی اکیڈمی
کے ذریعہ دیئے جانے والے سالانہ انعام پھر سے جاری کئے جائین، ۵۰-۱۹۴۹ء کے انعام اپریل سنہ ۱۹۴۵ء
کے بعد کے چھپے ہوئے افسانون (ناول اور کہانیون) کی بہترین کتابون پر دیئے جائین گے،
یہ انعام پانچ پانچ سو روپیہ کے ہون گے، ایک انعام ہندی اور ایک اردو کے لئے ہے، مصنفین،
پبلشر، اور عام اصحاب سے التماس ہے کہ مطبوعہ کتابون کے نام مع ضروری اطلاعات کے ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء
تک جب کہ ان کا ابتدائی انتخاب ہوگا، بھیجنے کی زحمت فرمائین، ابتدائی انتخاب کی منظور شدہ کتابون
پر ایک فیصلہ کرنے والی کمیٹی اپنی رائے کا اظہار کرے گی، اور امید کیجاتی ہے کہ انعامون کا اعلان مارچ
سنہ ۱۹۵۰ء تک ہوگا۔

دھیریندر ورما ایم اے ڈی لٹ (پیرس) معتمد و خازن ہندستانی اکیڈمی یوپی الہ آباد،

ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،

مؤلف | دینوری نے "کتاب النبات" کے نام سے نباتیات کی جو انسائیکلوپیڈیا مرتب کی تھی وہ عربی
زبان کے اُن شہکارون مین سے ہے، جو عرصہ سے ناپید ہین، اس کا ایک ٹکڑا ابھی ابھی برآمد ہوا ہے،
اور وہی ان سطرون کے لکھنے کا محرک ہے،

اس کے مؤلف ابوحنیفہ احمد بن داؤد بن وَنَنْد کی ولادت شہر دینور مین ہوئی، جو عراق عجم مین ہے،
صحیح تاریخ تو معلوم نہین لیکن تیسری صدی ہجری کے پہلے عشرے کا قیاس ہے، وفات یاقوت (معجم الادباء)
کے بیان کے مطابق ۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۲۸۲ھ کو ہوئی، اُن کے دادا کا نام وَنَنْد ہے جس کے معنی پرانی
فارسی مین "فتحیاب" کے بیان کئے گئے ہین،

بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد جب عباسیون کی طویل حکومت مین مستحکم امن میسر ہوا، تو جہان کوفے اور
بصرے کی علمی خانہ جنگی کم ہوئی، وہین مکتب بغداد کے اصولِ خذ ما صفا مین پلنے والے عربی زبان
کی ہر جہتی ترقی مین، اتنا حصہ لینے لگے کہ یہ دور تاریخ مین سنہرا دور سمجھا جاتا ہے، ہمارے مؤلف کے ہمعصرون
مین امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام قشیری، بایزید بسطامی، جاحظ، محمد بن حبیب، ابن قتیبہ، ابوزید بلخی
اور دیگر ان گنت ممتاز شخصیتین نظر آتی ہین، اور اپنے شعبے کی حد تک دینوری کا کارنامہ اور کاوش تحقیق
بجز چند محدثین کرام کے کسی بھی بڑے سے بڑے مؤلف سے کم تو کیا کم ہی لوگ اس کی برابری کا دعویٰ

کر سکتے ہین،

ہمارے ہرفن مولی" مولف کو اگر تاریخ اور جغرافیہ سے دلچسپی تھی، تو ساتھ ساتھ، ریاضی اور جبر و مقابلہ و ہئیت سے بھی، لسانیات اور بلاغت سے بھی، طب و نباتات سے بھی،

لسانیات اور صرف و نحو کی تعلیم السکیت اور ابن السکیت سے پانے کا ذکر تو ہمارے ماخذ کرتے ہین، لیکن دیگر علوم کے متعلق وہ خاموش ہین، اگر دینوری کی سب تالیفین ملتین تو ان مین ذکر کردہ اسناد سے اُن کے دیگر علوم کے اساتذہ کا بھی پتہ چل جاتا، جہان تک نباتیات کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہین کہ انھون نے اپنی کتاب کی تالیف مین اپنے پیشرؤن سے بھی استفادہ کیا اور ہمعصرون سے بھی اور خود ذاتی تحقیق اور مشاہدے سے بھی،

ابن ندیم کے بیان کے مطابق وہ ابو علی الحسن بن عبد اللہ الاصفہانی کے رفیق درس تھے، اور الفراء[1] کے راوی کا فرض بھی انجام دیا، یاقوت کے بیان کے مطابق دینوری اپنی زندگی ہی مین بطور انشاء پرداز کے جاحظ کے حریف تسلیم کئے جاتے تھے، علم ہئیت کے رصدی مشاہدے انھون نے پچیس سال کی عمر مین کرکے اپنا سکہ بٹھا دیا تھا، اور دینور مین ان کی خانگی رصد گاہ اُن کے بعد بھی صدیون کام دیتی رہی،

اصل تالیف | بعض حوالون سے پتہ چلتا ہے کہ اصل کتاب النبات چھ ضخیم جلدون مین تھی، مجھے اب اس مین کوئی شبہ نہین رہا، ہمین اب جو مین باب دستیاب ہوئے ہین، ان کے اقتباسات ابن سیدہ کی کتاب المخصص مین بھی ہین، لیکن اس تناسب سے کہ ہمارے (۴۰) سطرون مین سے وہان صرف (۱۰) سطرین نقل ہوئی ہین

---

[1] ایک غیر متعلق مگر دلچسپ اطلاع یہ عرض کرنی ہے کہ الفراء (المتوفی ۲۰۷ھ) کی تفسیر قرآن مجید مل گئی ہے، اور کتب خانہ وحبی آفندی ہی استانبول (تفسیر نمبر ۶۶) میں موجود ہے، مشتبہ تفسیر ابن عباس کو چھوڑ کر اب یہ محفوظ و موجود تفسیرون مین قدیم ترین ہو جاتی ہے، حتی کہ امام زید بن علی سے بھی قدیم تر،

اور ابن سیدہ مین دینوری کی کتاب النبات کے جو اقتباسات ہین، وہ کم سے کم دو سو صفحون کی جلد مین سما سکتے ہین، یہ امر قابلِ وضاحت ہو کہ دینوری نے پودون کے نباتاتی حالات زیادہ دیئے ہین، اور متعلقہ اصطلاحات کی لسانیاتی اور صرفی و نحوی تشریح جو محض ضمنی ہے، مختصر اوہی ہے، اور ابن سیدہ نے زیادہ تر صرف آخری حصہ کو نقل کرکے باقی کو ترک کر دیا ہے، ان حالات مین کتاب النبات کا چھ ضخیم جلدون مین ہونا بعید از قیاس بالکل نہین معلوم ہوتا، البتہ کشف الظنون کا یہ بیان کہ ابن اخت غانم نے کتاب النبات کی شرح ساٹھ جلدون مین لکھی تھی حسن ظن سے بھی کام لین، تو ساٹھ کراسون سے عبارت معلوم ہوتی ہین،

چند سال قبل ۱۹۱۰ء مین برلیسلاؤ (جرمنی) کے ایک طالب علم زلبربرگ نے ابن سیدہ، لسان العرب وغیرہ سے دینوری کے اقتباسات اکٹھے کرکے ایک مقالہ اپنے امتحان ڈاکٹریٹ کے لئے لکھا تھا، جو ۱۹۱۰-۱۱ء مین اشٹراسبورگ کے جرمن رسالے "تسائت شرفت فیر اسیریولوگی" مین چھپا تھا، عربی زبان اور نباتیات دونون مین درک رکھنے اور بعض اچھے اساتذہ کے خانگی جمع کردہ مواد سے بھی نوازے جانے کے باعث اس کے خیالات اصل تالیف کے متعلق دلچسپی کے حامل ہین، اسے البتہ ہمارے تازہ مخطوطے کا علم نہ تھا،

اس کے پیشرو | قبل اس کے کہ زلبربرگ کے کچھ اقتباس دیئے جائین، اپنا ایک ناچیز خیال پیش کرنا چاہتا ہون کہ دیگر علوم و فنون کی طرح مسلمانون مین نباتیات کا ذوق بھی قرآن مجید ہی سے پیدا ہوا ہوگا، دنیا کی مقدس اور الہامی مذہبی کتابون مین سے کسی مین بھی نباتات کا اتنا کثیر ذکر نہین ہے جتنا قرآن مجید مین ہے، ایک دو گھنٹے کی تلاش مین مجھے ایسے (۱۶۹) مقام ملے، ان کی مختصر تحلیل شاید بے محل نہ ہو،

"خدا سارے جہانون کا آقا (رب العالمین) ہے تو عالم نباتات کا بھی وہی آقا ہے، یہی نہین

خدا نے اپنا وصف خود نحن الزارعون، نحن المنشئون کے الفاظ مین بیان کیا ہے، قرآن مین بہ کثرت تذکرے مردہ زمین، زندہ زمین، ایک کا دوسرے مین مبدل ہونا اور اس کے اسباب دلچسپ انداز مین بیان ہوئے ہین، آب پاشی کے ذرائع مین سے چشمون، ندیون، کنوؤن، بارش، شبنم کا ریتون، بادلون وغیرہ کا ذکر ہے، تو باغون، کھیتون، چراگاہون جنگلون، سبزہ زارون کا ان کی زندگی کے مختلف اوقات مین بھی، قسم قسم اور رنگ برنگ کے میوے کھجور، انجیر، انگور، انار کا نام آتا ہے تو غلون، ترکاریون مین قثا، فوم، عدس، بقل، خردل، زنجبیل وغیرہ کا نیز چھلکون، چھالون کا، کھجور کا تفصیلی ذکر، اس کا تنہ اس کے گچھے، خوشے، گٹھلی، قطمیر، وغیرہ وغیرہ کا ذکر عرب ناظر و سامع کے لئے ناگزیر ہی تھا، انگور کی بیلون، شراب، شہد، زیتون، روح و ریحان (زہرۃ الحیٰوۃ کے ذریعہ سے) پھولون کا، فرامن، زقوم، سدرہ بھی مذکور ہین، لکڑی وغیرہ سے بننے والے سامان مین کرسی، تخت، دروازہ، سیڑھی، تیر کمان، تکیے، قالین، قلم، ریشم، لباس، کاغذ، پکوان کے برتن کے ساتھ ساتھ چرنے والے جانورون مین اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے، بیل (دودھ) گھوڑے، گدھے، خچر، بندر، سور، ہاتھی، گورخر، ٹڈی، نیز مکھی، شہد کی مکھی، مکڑی بھی مذکور ہین، غلے کے کاروان، کشتیان، تر و خشک ایندھن، لکڑی کا چقماق، آگ، کٹائی، قحط، طوفان، طغیانی، غرض بیسیون اور کے لمبے لمبے تذکرے ہین، اگرچہ ہمارے مؤلف نے پیش نظر مخطوطے مین (جس کو جامعہ کیمبرج یا برلن اکاڈمی شاید شائع کرے گی) صرف چار ہی مرتبہ قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے، لیکن اس ٹکڑے کی وارد شدہ اصطلاحات قرآن مجید مین بیسیون ہی ہین،

جاہلیت کا عرب شاعر باریک بینی کے لئے مشہور ہے، تو دہین اس کی زبان اتنی متمول نظر آتی ہے، کہ وہ نباتات کے دقیق سے دقیق مسئلے کے لئے بھی کسی غیر زبان کے الفاظ کا محتاج نہین ہوتا کے بعد علمی ترقی یافتہ دور مین بھی جب فلسفہ، منطق، طب وغیرہ مین عربون کو بیرونی اصطلاحات و الفاظ قبول اور رائج کرنے پڑے ہون لیکن فقہ ہی کی طرح نباتات مین بھی یونانی اور سنسکرت وغیرہ کا اثر ناپید ہے،

بجز اس کے کہ عرب یا عربون کی سفر گاہون مین پیدا نہ ہونے والے پودون کے نام ہون، عربی زبان کا یہ کمال عجیب اور حیرت انگیز تو ہے، لیکن نخوا در بے وجہ نہین، بات یہ ہے کہ یونانیون کے برخلاف جو حضری اور شہر نشین ہو گئے، عرب مین بدویت اور خانہ بدوشی ہمیشہ باقی رہی، اور اس بے برگ و گیاہ صحرا مین ہر بوٹا، پودے کا ہر جزو وہان کی انسانی اور حیوانی آبادی کو ہر وقت مطلوب ہوتا تھا، اس کے خوردنی یا ناخوردنی ہونے کی تحقیق آخری حد تک پہنچانی ناگزیر تھی، پھر کسی اور علمی مشغلے کی غیر موجودگی مین اندرونی لپک حساس طبیعتون کو ان مشاہدات کو نظم مین منتقل و محفوظ کرنے کی ترغیب بھی موجود تھی،

دینوری اور اس کے ہم عصر نباتاتیون پر تبصرہ کرتے ہوئے جان زلبر برگ یہ تسلیم کرتا ہے، کہ ان کی تالیفون مین "نہایت ترقی یافتہ فنی اور اصطلاحی الفاظ ہر قدم پر ملتے ہین"، وہین وہ اس پر حیرت ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح ایک جاہل بدوی ریگستان مین اونٹ کے قدم کے نشان" ہی کی طرح پودون کی ساخت کے نازک سے نازک پہلو اور جزء کو بھی اسی صحت، وضاحت اور پرگو انداز مین منظر عام پر لا سکتا ہے"، پھر یہ پوچھتا ہے،

"بہر حال یہ کافی حیرتناک ہے کہ زمانہ قدیم کے سارے نباتیاتی ادب مین ہماری کتب کے صرف دو ہی مماثل بیشتر ملتے ہین، یہ کیسے ہو گیا کہ مسلمان اس معاملہ مین اس قدر جلد اپنے پھرے یونانیون کے برابر ہی نہین ہو گئے، بلکہ اُن سے بڑھ ہی گئے!..... دیگر قومون کے نباتیاتی ادب نے قوم کی ترقی کے زمانہ مین اپنی الگ فنی زبان پیدا کر لی لیکن یہان معاملہ الٹا ہے، بدویون کی زبان اس علم کے وجود مین آنے سے بھی پہلے تفصیلات تک کے لئے ایک خوب ہی پھیلے ہوئے ذخیرۂ اصطلاحات کی حامل تھی"،

فنی لغتین | عام لغتون کے ساتھ ساتھ عربون مین خصوصی ایک فنی لغتون کا بھی کم از کم اصمعی کے دور سے روز افزون شوق پیدا ہو گیا تھا، کتاب الزرع والنخل، کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب الحیات.

کتاب الوحوش، کتاب الحیوان، کتاب الانواء، کتاب الارض والسماء، غرض بیسیون ہی نام اس سلسلہ مین لئے جاسکتے ہین جن مین سے بعض اب تک محفوظ بھی ہین، اُن کے متعلق زمانۂ حال کے سب سے بڑے جرمن وراق یا کتب شناس بروکلمان نے ضمیمۂ تاریخ ادبیات عربی ۱۹۳۷ء مین لکھا ہو کہ اس طرح کی یک فنی متون پر لسانیات کے نقطۂ نظر سے نہایت قیمتی ہونے کے باوجود یورپین زبانون مین آج تک بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے،

ابتدائی عربی تالیفین | نباتات پر جن ابتدائی عربی تالیفون کا پتہ چلتا ہے، وہ ابن ندیم وغیرہ کے مطابق یہ ہین :-

(۱) ابو عمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۹ھ): کتاب ؟ (بعد والون کے ہان اسکے بکثرت حوالے ہین) (۲) ابو زید (المتوفی ۲۱۳ھ) کتاب الشجر والکلاء (بحوالۂ مزہر سیوطی) (۳) ابو زیاد الاعرابی (ہمعصر خلیفہ مہدی) کتاب النوادر (نباتات سے جزءاً بحث) (۴) الاصمعی (المتوفی ۲۱۶ھ) کتاب النبات والشجر (طبع بیروت) (۵) ابن الاعرابی (المتوفی ۲۳۱ھ) کتاب النبات (۶) ابو نصر الباہلی (المتوفی ۲۳۵ھ) کتاب الشجر والنبات (۷) ابن السکیت (المتوفی ۲۴۳ھ) کتاب النبات والشجر (۸) ابو حاتم السجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ) کتاب الشجر والنبات (۹) السکری (المتوفی ۲۷۵ھ) کتاب النبات (۱۰) دینوری (المتوفی ۲۸۲ھ) کتاب النبات،

ان کے علاوہ عام لغتون مین بھی نباتات کا کافی ذکر ہے، خلیل (المتوفی ۱۶۰ھ) سیبویہ (المتوفی ۱۶۱ھ) الکسائی (المتوفی ۱۸۹ھ) الفراء (المتوفی ۲۰۷ھ) ابو عبیدہ معمر (المتوفی ۲۱۰ھ) ابو عبید القاسم (المتوفی ۲۲۳ھ) ابو عمر الجرمی (المتوفی ۲۲۵ھ) کے نام خاص طور پر اس سلسلے مین لئے جاسکتے ہین، ان مین سے ہر ایک نے اپنے پیشروؤن اور اپنے ہمعصرون کی کتابون سے استفادہ کیا ہوگا، اور حسب عادتِ مالوفہ، ان کی کچھ چیزین بلا حوالۂ نقل کی ہون گی تو کچھ اپنی

طرف سے اضافہ بھی کیا ہوگا، اور بہ حیثیت مجموعی علم کو زندہ رکھنے اور اس کی مزید ترقی مین حصہ لینے کا سلسلہ جاری رہا ہوگا،

افسوس ہے اب صرف تالیف نمبر ۴ اصمعی کی کتاب النبات والشجر ملتی ہے، کوئی چالیس برس ہوئے جرمن مستشرق ناگلبرگ نے ابو زید کی طرف منسوب کتاب النبات والشجر شائع کی لیکن اب اندرونی شہادت کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو ابن خالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ) کی تالیف ہے یا کسی اور کی،

خوشہ چین | ابو حنیفہ دینوری کی یادگار تالیف نے سب کے قلم توڑ ڈالے اور اس کے بعد صرف اسی کے حوالہ سے پودون اور جڑی بوٹیون کے ذکر ہونے لگے، یہ اقتباسات بہت سے ہین، اور انہی سے ایک ضخیم جلد دو تین سو صفحون کی تیار ہوسکتی ہے،

(۱) ابن سیدہ: کتاب المخصص نیز کتاب محکم (۲) ابن سمجون: الجامع فی الادویۃ المفردہ، (۳) الغافقی: شرح العقار، (خلاصہ ابن میمون الاسرائیلی) (۴) الصاغانی: العباب (۵) ابن منظور: لسان العرب (۶) فیروزآبادی: القاموس، (۷) مرتضیٰ زبیدی: تاج العروس (۸) ابن البیطار مفردات الادویہ (۹) ابن العوام: کتاب الفلاحت (۱۰) علی البصری: التنبہات علی الاغلاط (۱۱) یاقوت: معجم البلدان (۱۲) المرزوقی: الازمنۃ والامکنۃ،

مین خاص کر دینوری کے اقتباسات ملتے ہین، اور ابن سیدہ کی کتاب المخصص مین سب سے زیادہ ہین، جیسا کہ معلوم ہے اس کتاب مین ایک ایک عنوان لیا گیا ہے، جیسے انسان، زمین، اونٹ، پانی وغیرہ اور اُن کے تحت جملہ متعلقہ ہزارون الفاظ مختصر توضیح کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہین، اس کی بارہ پندرہ جلدون کی ورق گردانی مین مجھے جن جن ابواب مین ابو حنیفہ دینوری کے اقتباس نظر آئے، اُن کی بنیاد پر اصل کتاب النبات کی فہرست مضامین یا کم از کم اس کی وسعت کا کچھ نہ کچھ

اندازہ ہو جائے گا، ابن سیدہ کی جلد (۱۰ تا ۱۲) مین نباتات و متعلقات کا ذکر ہے، اور شاید یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اصل کتاب النبات کی بھی ویسی ہی ترتیب ہوگی، البتہ ابن سیدہ کا مقصد المخصص مین کتاب النبات سے مختلف ہونے کے باعث کتاب النبات کے مواد کی المخصص مین تقسیم و انتشار بھی ناگزیر ہے، بہر حال المخصص مین دینوری کے اقتباسات زیادہ تر حسبِ ذیل ترتیب سے ہین:

کتاب النبات کی تحلیل

المخصص جلد (۴) مین نباتی دباغت پر بہت دلچسپ اور اہم مواد ہے،

" (۵) شہد، شہد کی مکھیان، کھانا، تے کرنا وغیرہ،

" (۶) تیر کمان کا طویل ذکر،

" (۷) اونٹون کا چرنا، اور ان کی بیماریان،

" (۸) ہرن، پرندے، ٹڈی، مکھیان وغیرہ،

" (۹) آب پاشی، اس کے "برتن" مثلاً ڈول وغیرہ، رسّیان، پانی رکھنے یا لیجانے کا سامان جیسے مشک وغیرہ،

" (۱۰ تا ۱۲) حسب تفصیل ذیل،

پودون کیلئے مٹی کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ آبی نباتات کے لئے بھی زیرآب زمین درکار ہے، اور چٹانون پر اگنے والے پودون کے لئے بھی پتھر پر جمی ہوئی گرد ناگزیر ہے، اسی لئے سب سے پہلے مٹیون اور زمینون کا تفصیلی ذکر ہے، آباد، غیر آباد، کم آباد، وبائی علاقے اور اس کے اسباب، موسم، اور محل وقوع کا اثر زمین پر وغیرہ بیان کرنے کے بعد ہمارا مؤلف پودون کی ایک بڑی اور بنیادی تقسیم بوئے ہوئے اور خودرو مین کرتا ہے، بونے کے سلسلے مین ناگرا در دیگر ذرائع سے زمین کو تیار کرنے کی تفصیل آئی ہے، پھر وادیون ڈھلیانون اور سیلابون کا ذکر ہے، آب پاشی کا ذکر ابن سیدہ نے

جلد (۹) مین منتقل کر دیا، ہو جو غالباً اصل مین یہان ہونا چاہئے تھا، بارش کی پھنڈون کا بھی یہان ذکر آتا ہے، لیکن دینوری نے اس پر کتاب الانواء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی، زمین کا ذکر دوبارہ کرتے ہوئے پھر اس کا ذکر ہے کہ کہان پودے جلد اُگتے ہین، کہان دیر سے اور کہان نباتی زندگی مشکل اور کہان ناممکن ہے، پھر زرخیز زمین کی عام خصوصیتون کی تفصیل آتی ہے، اور مختلف رنگ کی مٹی کے ذکر کے بعد امساک باران، پانی کی قلت، موسم کا اچھا یا بُرا ہونا، کاشت مین غیر مطلوب جنگلی خودرو پودون کا خود بخود اُگ آنا، وغیرہ بیان ہوئے ہین،

اس کے بعد گویا اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اور نباتات مین تر و خشک گھاس کا بیان کرنے کے بعد تنے والی نباتات یعنی درختون کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور ان کے وہ اوصاف بھی بیان ہوئے ہین، جو سب خاندانون مین مشترک ہین، اور وہ بھی جو بعض بعض سے مخصوص ہین، درختون کا اُگنا، پھولنا اور اُن پھولون کی خصوصیتین بیان کرنے کے بعد درختون کی ذیلی تقسیم یہ کی گئی ہے کہ کونسے پھلتے ہین، اور کن مین پھل نہین آتا، اور اس نوبت پر درخت کی ساخت، جڑ، تنہ، وغیرہ پر بحثین کر کے تنے پر ہونے والے معزاثرات، کیڑے اور گھن وغیرہ کا ذکر ہے، اور کم عمر اور پرانے طویل العمر درختون کی تفصیل ہے،

تنے سے لئے جانے والے کامون کی بحث مین بہت سے اُمور آتے ہین، اور تیر کمان سے بحث کا آغاز ہوتا ہے، پھر شاخون تنون کو کاٹنے اور کاٹنے پھوڑنے چیرنے کے آلات کی پوری تفصیل ہے، اور ایندھن پر گویا یہ بحث ختم ہوتی ہے، بات مین بات ایندھن مین آگ کا ذکر آتا ہے، ایک باب اس پر ہے کہ کونسی لکڑیون سے چقماق کا کام (بجائے پتھر اور لوہے کے) لیا جاتا ہے، دوسرے مین آگ کی داستان اس کی "ولادت" سے "وفات" تک ہے، یعنی چنگاری، دھوان، راکھ، اُن کے مختلف رنگ، اُس کے اسباب، گرمی کی زیادتی اور کمی، لکڑی کا جلنے مین چٹخنا، اور اس کا سبب

جنگلون مین بعض وقت خود بخود آگ کا لگ جانا، اور اس کے اسباب، آگ کو طویل عرصہ تک محفوظ رکھنا، اور اس کے طریقے جن سے بارش اور طوفان مین بھی وہ محفوظ رہے، وغیرہ وغیرہ، یہ دونون باب ہمارے مخطوطے مین ہین، اور ابن سیدہ مین بھی اسی ترتیب سے محفوظ ہین، گو جستہ جستہ جملون کی صورت مین،

پھر درختون کے جھنڈ اور جنگلون کا ذکر ہے، یہان مؤلف اہم درختون کا فرداً فرداً ذکر کرتا ہے، پھر بوئی جانے والی نباتات کا ذکر اس سلسلہ مین دوبارہ کیا ہے بعد ازان زراعت، زرعی امراض، فصل کاٹنے، دانے اُسانے اور گودامون مین محفوظ کرنے وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، اس کے بعد غلون کا الگ الگ ذکر ہے، جیسے گیہون، جَو، سبزیان، ترکاریان وغیرہ،

اس کے بعد پھلون کا ذکر ہے، سب سے پہلے انگور اور اس کی کاشت اور ضمناً شراب سازی، شراب نوشی، بدمستی، اور اسکے نتائج بہت تفصیل سے آتے ہین، کوئی زاہد تو اس زہد پر کفر ہی کا فتویٰ دیدے کہ دختِ رز کے عین بعد مقدس کھجور کا ذکر آتا ہے، عربی مین نخلیات اور تمریات پر مواد کی کیا کمی ہو سکتی ہے، البتہ تفصیل کی نہ مجھے ہمت ہے نہ ناظرین سے صبر و تحمل ہو سکے گا، کھجور کے بعد سیب، بادام، پستے، انار، وغیرہ بکثرت پھلون اور میوون کا تفصیلی ذکر ہے،

اس کے بعد گویا کتاب کا حصہ دوم شروع ہوتا ہے، اور ایسے پودون کا ذکر ہے، جو چٹانون، پتھریلی زمینون، غیر مسطح یا مسطح میدانون مین اُگتے ہین، نیز وہ جو پانی مین یا پانی کے بہت قریب ہی اُگ سکتے ہین، ضمناً اُن کا بھی ذکر آگیا ہے، جو سمندر کے کھاری پانی ہی مین اُگتے ہین، حالانکہ عام طور پر کھاری پانی پودون کے لئے زہر قاتل ہے، پھر مختلف ایسے پودون کا ذکر ہے جن کے لئے محلِ پیدائش کی خصوصیت نہین، نیز وہ پودے جن کے پتون کی سبزی دیر تک رہتی ہے، اور انکی پت جھڑ دھوپ کالے کے ختم پر ہوتی ہے، پھر کاٹنے والی جھاڑیون کا ذکر اور اُن کی ذیلی قسمین آتی ہین، پھلون

اور زمین پر پھیلنے والے پودون کا بھی خصوصی ذکر ہے، مسواک اور ان درختون کا جن سے وہ بنتی ہین، الگ ذکر آتا ہے، اس کے بعد خوشبودار پودے آتے ہین، اور یہ تفصیل بھی کو نسے عرب مین نہیں ہوتے اس کے ساتھ عطر سازی اور خوشبوؤن کی صنعت کا ذکر ناگزیر تھا، اور ذکر آیا ہے، اس کے بعد رنگون کا ذکر اور رنگ سازی کی صنعت نیز بالون کے خضاب مین کام آنے والے پودون کی تفصیل ہے، پھر ایک اہم باب اُن درختون کے ذکر مین ہے، جن سے عرق نکلتا ہے، اور مختلف قسم کے گوند، لبان وغیرہ کی تفصیل ہے،

اس کے بعد ایسے پودون کا ذکر ہے جن مین زیرِ زمین پھل آتا ہے، یعنی جن کی جڑون مین خوردنی و ناخوردنی گڈے نکلتے ہین، یہ باب بھی ہمارے مخطوطے مین ہے،

حنظل اور دوسرے کڑوے پھلون والے پودون کے بعد کدو، کھیرے، پیاز اور دیگر طبی نباتات کا ذکر آتا ہے، اور زہریلے پودون کے ذکر کے بعد جانورون کی غذا اور چراگاہون پر دینوری کے اقتباسات ختم ہو جاتے ہین،

بعض وقت حیرت بھی ہوتی ہے، مثلاً آم کا ذکر دینوری کڑوے اور کھٹے پھلون (حنظل وغیرہ) کے ساتھ کرتا ہے، کیا اب سے ہزار برس پہلے ہمارا تخمی آم واقعی اتنا ہی غیر ترقی یافتہ تھا، پان کا ذکر خوشبودار پودون مین بھی ہے، اور یقطین (کدو کی جنس) کے ساتھ بھی، اور عجیب عجیب خوش فہمیان اس سے وابستہ کیگئی ہین،

ابن سمجون، الغافقی، اور ابن البیطار کے ہان زیادہ تر طبی مفاد کے اقتباسات ہین، ان ممتاز طبیبون نے دینوری کو جو وقعت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مختلف جڑی بوٹیون کے متعلق اقتباسات مین دینوری کا بیان سب سے پہلے آتا ہے، غالباً ہمالیہ تلے کے برِ اعظم کی طرح قدیم ایران و اندلس مین بھی ہر پڑھا لکھا مسلمان اپنے نصاب تعلیم مین طب کی کتابین بھی پڑھتا تھا،

یادری خاص کر مشنری آج بھی اس پر عامل ہین، مجھے اپنے سفرون مین ہمیشہ افسوس ہوتا رہا کہ کیون ہمین مبادی طب سے واقف نہین کہ مریض بندگان خدا کی جنگلون صحراؤن وغیرہ مین کچھ ممکنہ خدمت کرنے اور اُن کی تکالیف کم کرنے مین حصہ لے سکتا، یہ ہماری جدید تعلیم ہے، مگر دینوری طب پیشہ چاہے نہ ہو، طب دان ضرور نظر آتا ہے، اور ہر پودے کے ذکر مین اس کی طبی خاصیت ضرور لکھتا ہے،

دینوری کا طریقۂ بحث

عربی تمدن اور ذوق کا عکس دینوری کی سطر سطر مین ہویدا ہے، مثلاً جب چقماق کی لکڑیون کا ذکر شروع ہوتا ہے، تو وہ یکے بعد دیگرے ایسے ہر درخت کا نام لیتا ہے، اور جن لوگون نے اس کو دیکھا ہے ان کے منثور و منظوم بیانات درج کرتا ہے، اور اگر اشعار اور ضرب الامثال مین کچھ تلمیحین ہون، یا نامانوس الفاظ غریب اللغات ہون، تو اُن کی تشریح و توضیح کرتا ہے، جا بجا قصے اور لطیفے بھی آجاتے ہین، اور چونکہ ہر باب کے متعلق زبان کے جملہ متعلقہ اسماء و افعال کا یکجا کرنا مقصود ہے، اس لئے کچھ فصلین عام ناظرین کے لئے خشک مگر لسانیات یا صرف و نحو کے طالب علم کے لئے معلومات کی کان بنی ہوئی بھی نظر آتی ہین، مترادفات، اختلاف روایات، سابقہ مؤلفون کی تردید و تصحیح سب ہی کچھ آتی ہے، اور بعض دلچسپ اور اہم ترین معلومات محض ضمناً اور بظاہر غیر متوقع مقام پر ملتے ہین،

موجودہ مخطوطے کی اصلیت

مجھے یہ مخطوطہ ایک مجموعۂ رسائل مین مدینہ منورہ مین ملا، اس کی صحت کو جانچنے کا کوئی ذریعہ ڈھونڈھتا تھا، دنیا مین کہین بھی اس کے کسی اور نسخے کا تا حال پتہ نہین، چند سال قبل کہتے ہین کہ بیت المقدس مین اس کا ایک نسخہ تھا، جو ۱۹۳۹ء مین بھی لا پتہ تھا، نہ معلوم امریکا پہنچ گیا ہے یا یورپ، ابھی ابھی آکسفورڈ کے ایک استاد سے سنا کہ استانبول مین اس کے کسی نسخے کا پتہ چلا ہے لیکن وہ استانبول کے دیگر قلمی نوادر کے ساتھ صندوقون مین بند اناطولیہ مین تہ خانون مین کسی جگہ چھپا ہوا ہوگا اور مجنون مغرب مین جنگ کا خطرہ گھٹنے تک اس سے استفادہ ممکن نہین ہوگا، مین نے یہ کیا کہ ابن سیدہ، لسان العرب ابن البیطار وغیرہ (مذکورہ صدر خوشہ چینون) سے

دینوری کے اقتباسات، جو سیکڑون مین جمع کئے، اور مدینہ منورہ کے مخطوطہ مین جو مسائل ہین ان کو وہان ڈھونڈنے کی کوشش کی جو کامیاب رہی، بیسیون اقتباسات ایک یا زائد متاخر ماخذون مین دینوری کے حوالے سے ملے، اور عبارت اتنی ہی ہو بہو اور یکسان ملی جتنی ایک ہی چیز کے متعدد ناقلون کے ہان ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی شبہ نہین رہتا کہ مدینہ کا مخطوطہ اصلی اور واقعی دینوری کا ہے، بعد والون کے ہان بعض جگہ حذف و خلاصہ ہو لیکن ایسی کوئی چیز نہین ملی جس سے یہ گمان ہو کہ مخطوطہ مدینہ کے ابواب بھی اصلی نہین بلکہ اصل کا خلاصہ یا اقتباس ہون،

مخطوطۂ مدینہ مین صرف تین باب ہین، اور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا، پہلا باب چقماق کی لکڑیون پر ہے، (جس مین آگ جھاڑنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے) دوسرا باب آگ اور شعلے اور دھوئین اور راکھ کے رنگون اور ان کے اختلاف کے اسباب پر ہے، اور تیسرا باب زیر زمین پھلدار پودون پر ہے،

مین نہ تو نباتیات کا طالب علم رہا ہون اور نہ عربی ادب کا، محض عربی زبان کی کچھ واقفیت سے اس طرح کی فنی کتاب (جس مین بیسیون نامعلوم پودون کے نام اور دیگر اصطلاحین ہین) کو واحد مخطوطے کی مدد سے طباعت کے قابل بنانا بڑی جسارت ہے، بہر حال کسی اور اہل تر شخص کی آیندہ نظر ثانی کے بھروسہ پر خدا کا نام لے کر اسے ایڈٹ کر دیا گیا ہے، کام حسب دلخواہ نہین ہوا، حوالے کی سب کتابین نہین ملین، سفر نے الگ رکاوٹین ڈالین، جب تک اصل کتاب چھپے یہ تعارف شاید اہل علم کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

تاریخِ یمن کی ایک سطر

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

۱۸۳۴ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمون کو حضرموت کے حصن غراب پر چند حمیری کتبے دکھائی دیئے، جن کی نقلین اتار کر ہندوستان اور انگلستان روانہ کین، یہ کتبے ۴ ہین، جن مین سے ایک تو صرف ایک طرح کا سماتی نقش ہے، تین کتبے حمیری حروف کی تین تحریرین ہین، ۱۸۳۷ء مین جرمن پروفیسر رودیگر نے ۱۸۴۱ء مین پروفیسر جسے نی اس نے اور ۱۸۵۳ء مین ریورنڈ چارلس فارسٹر نے ان کتبات کو پڑھا، فارسٹر صاحب نے اپنی کتاب تاریخی جغرافیۂ عرب مین پوری شرح و بسط کے ساتھ اپنی قرات پیش کی ہے، افسوس ہے کہ جرمن پروفیسرون کے مقالون کا ترجمہ میری نظر سے نہین گذرا، فارسٹر نے جغرافیۂ عرب جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مین حاشیہ پر عبرانی حروف مین دہ سطری کتبہ کی ابتدائی دو سطرین رودیگر کی قرات کے مطابق نقل کی ہین، اور اُن کا ترجمہ جرمنی مین نقل کرکے لکھا ہے کہ "پہلے لفظ کے خوش قسمت استثنا کے ساتھ اس قرات و تشریح کا لفظ تو ایک بھی اصل کتبہ مین نہین ہے، حروف بمشکل ایک دو ہین"، پروفیسر جسے نی اس کی بابت یہ بتایا ہے کہ ان کو اس کتبہ مین "شاہ حمیران" کا لفظ ملا ہے اور یہ غلط ہے، ان دونون پروفیسرون کی قرات کا ماحصل یہ بتایا ہے کہ اس دہ سطری کتبہ مین حبش اور حمیر کے تصادم کا ذکر ہے، خود قرات فرما کر یہ دعوی کیا ہے کہ یہ تحریرین قوم عاد کی ہین، اور زمانہ تحریر کا طوفان نوح سے ۵۰۰ برس بعد حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کے عہد کو قرار دیا ہے،

پادری صاحب کی قرات کے مطابق چونکہ کتبہ کے اندر حضرت ہودؑ کا ذکر ہے، اس لئے مسلمان علما نے اُن کی قرأت پر خوشی سے اعتماد کیا، ان اعتماد کرنے والون مین استاذ محترم مولانا سید سلیمان کی ارض القرآن کی وجہ سے خود مین بھی ایک عرصہ تک تھا لیکن جب تاریخی جغرافیۂ عرب کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی، اور کتبہ کا عکس بچشم خود دیکھ کر پادری صاحب کی قرأت کو پرکھنے کا موقع ملا، تو اُن کی ساری قرأت جعل سازی نظر آئی، اُن کی قرأت پر تو نہین لیکن کتبہ کے زمانۂ تحریر کی بابت اُن کے استدلال پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، انھون نے دہ سطری کتبہ کو جن دلیلون سے عادی قرار دیا ہے، وہ دو ہین،

۱- جن دونون مین پر امیر معاویہؓ کی طرف سے عبدالرحمان بن الحکم گورنری کرتے تھے، عدن کے دو قلعون پر دو تحریرین ملین جن کے منظوم ترجمے نویری نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد (لیڈن جلد ۵۱۲ ورق ۵۶ و ۵۷) مین نقل کئے ہین، دہ سطری کتبہ حصن غراب ان مین سے ایک نظم کی اصل ہے، نویری نے ان قلعون کو جن پر یہ تحریرین منقوش تھین، عاد کا قلعہ بتایا ہے، لیکن پادری صاحب کو شاید یہ علم نہین کہ عرب کی بول چال مین کسی چیز کو عادیہ کہنے کے معنی صرف نہایت قدیم" کہنا ہوتے ہین، جیسے یہ بتانا مقصود نہین ہوتا کہ یہ چیز اس قوم کے زمانہ کی ہے، جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور جسے بادِ سموم بھیج کر ہلاک کردیا گیا،

۲- دوسری دلیل یہ ہے کہ کتبہ نمبر ۴ کا مضمون یہ ہے کہ "حقون مین تقسیم کیا، داہنے سے بائین لکھا، نقطے لگائے، اس ترانۂ فتح (یعنی کتبہ نمبر ۱) مین مرثش اور ذرعانے، بید حا اور شکار کیا، اور سیاہ رد کیا، عوص نے فرزندان عک کو" اور عوص بن ارم ہی کو اہلِ عرب عاد کہتے تھے،

اس ترجمہ مین ایک فقرہ ایسا ہے، جو قرات کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، وہ ہے "داہنے سے بائین لکھا، اگر دستور یہی تھا تو ایسی لکھنے کی اور اگر یہ دستور نہ تھا تو نیا ڈھنگ اختیار کرنے کی حاجت نہ تھی

عہدِ یوسف کا کتبہ قرار دینے کی بھی دو دلیلیں ہیں، ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس کتبہ میں عک بن عدنان کا ذکر ہے، جو حضرت یوسفؑ کا معاصر تھا، دوسری دلیل یہ ہے کہ نویری کے ایک کتبہ میں عہدِ یوسف کے قحط کا ذکر ہے، یہ دونوں دلیلیں سخت مجروح ہیں،

عک بن عدنان کو حضرت یوسفؑ کا معاصر اس دلیل سے قرار دیا ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ سے روی ہے کہ عدنان کی بابت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اُدد بن زند بن الیری بن اعراق الثری کا فرزند تھا، اور حضرت اُم سلمہؓ نے فرمایا کہ زند نام تھا ہمیسع کا، الیری سے مراد نبت ہے، اور اعراق الثری حضرت اسماعیلؑ تھے، (الروض الانف) اس روایت کو نقل کئے بغیر باوری صاحب فرماتے ہیں کہ ام سلمہؓ کی حدیث کے مطابق معد اور اسماعیلؑ کے درمیان صرف چار پشتیں گذری ہیں، ان پشتوں کی عمریں معمولی اور یوسف و یعقوب علیہما السلام کی طویل عمریں فرض کرکے زمانہ ایک کر دیا، حالانکہ یہ نسب مختصر ہے، حضرت مسیحؑ کے معاصرین ان کو ابن داؤد کہتے تھے، اسی طرح عرب کے لوگ بھی نسب ناموں میں صرف معروف اکابر کے اسماء محفوظ رکھتے تھے، معد بن عدنان اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان بہ پشتیں گذری ہیں، جناب معد بخت نصر کے معاصر تھے، اس پر مورخین عرب کا تقریباً اجماع ہے،

دوسری دلیل بھی پوچ ہے، نویری کے منظوم ترجمہ میں قحط کا ذکر تو ہے لیکن قحطِ یوسف کا ذکر نہیں ہے؟ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ عہد یوسف کا قحط یمن پر بھی اثر انداز ہوا تھا، ایک اور کتبہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یمن کے قحط کے ساتھ حضرت یوسفؑ کا بھی ذکر ہے، فرض کیا کہ یہ روایت صحیح ہے، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ نویری کی نظم میں عہد یوسف ہی کے قحط کا ذکر ہے، نویری کے جن شعروں میں قحط کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں کہ

فعشنا بھذا القصر حقبۃ احقب ۔۔۔ باطیب عیش جل عن ذکرہ الوصف

فجاءت سنون مجدبات قواحل ۔۔۔ اذا ما مضی عام اتی آخر یقفو

اُس قصر میں، حقبوں تک ہم آرام سے رہے، ایسا آرام جس کی تعریف ضروری نہیں، پھر پے در پے کئی برس قحط و خشک سالی کے آئے"

عربی میں حقب اسّی برس کی مدت کا نام ہے، جو ایک شخص کی طبیعی عمر خیال کی جاتی تھی، سات حقب کے معنی ہیں ۵۶۰ برس، اگر یہ قحط حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا تھا تو وہ قوم جس کے کاتب نے یہ تحریر لکھی، حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے ۵۶۰ برس قبل سے یہاں آباد تھی، حمیر و عک کی لڑائی اب تین چار سو برس قبل کا واقعہ ہو گی، لیکن باوری صاحب نے حقب کا ترجمہ برسوں کرکے اپنی دشواری حل کر لی ہے،

وہ روایت جس کی بنا پر عہد یوسف کے قحط کو یمن پر بھی اثر انداز دکھایا ہے، یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا کہ سیلاب سے یمن میں ایک قبر کھل گئی، جس میں ایک عورت پڑی تھی، جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار تھے، پاؤں اور ہاتھوں میں سات سات بازو بند اور کنگن اور پازیب تھے، ہر انگلی میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے چھلّے تھے، اس کے سر کے پاس مال کا ایک تابوت تھا، اور ایک لوح پر لکھا ہوا تھا،

باسمک اللّٰھم الٰہ حمیر	اے میرے خدا خدائے حمیر تیرے نام سے،
انا تاجہ بنت ذی شفر	میں ہوں تاجہ ذو شفر کی بیٹی، تاجر یوسف
بعثت (مائرنا الی یوسف فابطأ	کے پاس میں نے اپنا خادم بھیجا، جس نے
علینا فبعثت) لاذتی (بمد من	لوٹنے میں دیر کی تب) میں نے اپنی
ورق) لتاتینی بمد من طحین	لونڈی کو بھیجا کہ (ایک مد چاندی
(فلم تجدہ فبعثت) بمد من	دے کر) میرے لئے ایک مد آٹا لائے
ذھب فلم تجدہ فبعثت)	(مگر اسے نہیں ملا، تب میں نے ایک مد
بمد من بحری فلم	سونا دے کر بھیجا، مگر اسے نہیں ملا،

تجد ٥ (فامرت بہ)
نطحن فلما انتفع به) فاتقلت
فمن سمع بی فلیرحمنی وایة
امراة لبست حلیا من حلیی
فلا ماتت الامیتتی،

تب مین نے اسے بھیجا کہ) ایک مد موتی
کے بدلے (خرید لائے) مگر اس کو دستیاب نہ
ہوا (تب مین نے حکم دیا کہ اسے پیسا جائے
مگر میرے لئے مفید نہ ہوا) تب مین نے
پھاٹک بند کرئے تو اب جو بھی میرا حال
سُنے مجھ پر رحم کرے، اور جو عورت بھی
میرا کوئی زیور پہنے اسے میری ہی

میری قرأت کے مطابق حصن غراب کا کتبہ نمبر ۳ چونکہ اسی کتبہ کے ذو مراثد کا ہے، اور کتبہ نمبر ۱ مین اس کے بھتیجے ذو شرح کا نام ہے، اس لئے اس کتبہ کا زمانہ اور حصن غراب کے کتبون کا زمانہ تقریبًا ایک ہے، اس لئے اس بیان کے نقائص کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہون،

پادری صاحب کی نقل کردہ روایت مین قوسین کا اضافہ مین نے کیا ہے کیونکہ قوسین کی درمیانی عبارتین ماویون کا اضافہ ہین، بار بار چاندی، پھر سونا پھر موتی بھیجنے کا ذکر محض مبالغہ در مبالغہ ہے، موتی پیسنے کے تذکرہ نے اس مبالغہ کو قطعی جھوٹ بنا دیا ہے، کسی زمانہ مین انسان روٹی پکا کر کھانے کیلئے موتی پیسنے کا تصور نہین کر سکتا تھا، روایت کے اس نقص پر پادری صاحب کی نظر نہین پڑی، البتہ ایک دوسری دشواری نظر آئی جس کا اُن کے دماغ سے باہر وجود نہین، کتبہ کی موجودہ شکل یہ بتاتی ہے کہ تاجہ کا جو آدمی حضرت یوسفؑ کے پاس گیا تھا، اس کے لوٹنے سے پہلے اس نے بازار مین بار بار اپنی لونڈی کو بھیجا تھا، لیکن پادری صاحب کے دماغ مین یہ بات آئی کہ حضرت یوسفؑ نے تاجہ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، یہ بات اُن کے دل مین کھٹکی، مگر سیاسی اغراض پر اخلاق قربان کرنے کی یورپی عادت نے اس کھٹک کا یہ جواب تصنیف کیا، کہ

"یوسف کا حصہ اس کارروائی مین یقینًا وزیرانہ تھا، موسوی تاریخ سے ایسا نہین معلوم ہوتا کہ یوسف کے اخلاق بحیثیت خادم خدا اور اُن کے فرائض بحیثیت وزیر اعظم مصر مین کوئی تضاد تھا، ہم دیکھتے ہین کہ انھون نے ایک سیاس کی طرح اہلِ مصر کی بدقسمتی سے استفادہ کیا، فرعون کے لئے پہلے اُن کے مویشی کو پھر ان کھیتون کو پھر خود انھین خرید لیا، بالفاظ دیگر محدود ملوکیت کو غیر محدود ملوکیت مین تبدیل کر دیا، اپنے بادشاہ کی خدمت کے لئے جو سلوک اہلِ ملک کے ساتھ روا رکھا، اہلِ یمن کے ساتھ بھی اسی قسم کا انھون نے سلوک کیا"

ہم کو پادری صاحب کی یورپ نژاد طبیعت سے اس بات کی توقع قطعی تھی کہ حضرت یوسفؑ تو کیا "خداوند" کا بھی ایسا کیرکٹر تجویز کرنے پر وہ تیار ہون گے، جو غیر اقوام کے ساتھ لا انسانیت برتنے کا روادار ہو، لیکن اس کی امید نہ تھی کہ بائبل کے ایک بڑے عالم ہونے کے باوجود حضرت یوسفؑ کو محض وزیر مصر سمجھین گے حالانکہ توراۃ مین صاف مذکور ہے،

ویوسف هو المسلیط عل — اور یوسف ہی اس ملک کا
هارص (تکوین ۴۲-۴۶) — سلطان ہے،

حضرت سلیمانؑ کے وقت سے حساب لگائیے، تو یوسفؑ اور سلاطین کا زمانہ بالکل ایک ہوتا ہے صرف چند برسون کا فرق ہے،

اصل یہ ہے کہ پادری صاحب نے روایت کا جو ترجمہ نقل کیا ہے، اس مین سے صرف اسی قدر صحیح ہے جس قدر ہم نے قوسین سے باہر لکھا ہے، اسی کتبہ کو اصل حمیری الفاظ مین اکلیل مین ہمدانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قبر کی لوح پر مکتوب ملا تھا کہ

انا دیباجه بنت نوف ذی شفر بن ذومرثد فصلات لادی
ارت عبدی

لہ نشوان نے اس کا ذکر شمس العلوم قی ر کے مادہ مین کیا ہے،

شمرلی منل دوطحین بمندی بجری قد وسنه لی فاعتقلک

اشترلی مد بعد لولو لم یجد اتقفلت

مغیری فمن سمع بی فلیحرنی فایما اتیته لبست حتی لیکرن ن

امراۃ حلیی

الباب

موتھا جنح موتی،

مثل

"میں ہون ذو مرشد کے بیٹے، نوف ذو سفر کی بیٹی دیباجہ مین نے اپنے چھوکرے سے کہا کہ میرے لئے ایک مد موتی کے بدلے ایک مد آٹا خرید لا، مگر اُس نے اسے میرے لئے نایاب[1] پایا، پھر مین نے اپنا دروازہ مقفل کر لیا، تو اب جو بھی میرا حال سُنے، مجھ پر رحم کرے، اور جو عورت میرا کوئی زیور پہنے میری ہی موت مرے"۔

اصل حمیری الفاظ کے نیچے جو عربی الفاظ ہین وہ ہمدانی سے ماخوذ ہین، ایک لفظ فلیحرنی کا ترجمہ ہمدانی نے نہین بتایا، سابق روایت مین اس کی جگہ فلیرحمنی ہے، ایسا نہ ہوتا تو مین اس کا ترجمہ "مجھ سے نفرت کرے" کرتا، کیونکہ وحر کے معنی عربی مین کینہ رکھنے کے ہین،

دیکھو اصل حمیری عبارت مین نہ تو حضرت یوسفؑ کا نام ہے، نہ بار بار چاندی سونا پھر موتی دے کر آٹا خریدنے کی کوشش کا ذکر ہے، نہ موتی پینے کا تذکرہ ہے، یہ تمام باتین بعد کے قصاصون کا اضافہ ہین، اور امور کے اضافے اس روایت مین کیسے مل گئے؟ اس سوال کا جواب ہمارے موضوع کے خارج ہے، حضرت یوسفؑ کے ذکر کی وجہ کتبہ کا لفظ فاعتقلک "ہے، اعتقاد کے معنی ہین گھر کا دروازہ بند کرکے بھوکون مرجانا، نشوانؔ نے لکھا ہے:

الاعتقاد بلغة حمیر اغلاق | حمیر کی بولی مین اعتقاد یہ ہے کہ آدمی
الرجل علیه باب داره لایخرج | اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے پھر مرہی
منها حتی یموت وکانوا یفعلون | کے نکلے، ایسا حضرت یوسفؑ کے برسون

[1] یہ ترجمہ تفسیر ہمدانی اور روایت سابق کے مطابق ہے ورنہ ٹھیک ترجمہ تو "اس نے میرے لئے بدبودار پایا"،

ذلك وقت انقطاع الحب من | مین کیا جاتا تھا، تاکہ سوال کی بےغیرتی
الیمن فی سنی یوسف علیه السلام | مرزد نہ ہو، پھر دو عورتون نے ادھار
تکبرا عن السؤال حتی سن السلف | لین دین کی ریت رائج کی،

احل تان منهم (صفحہ ۳)

لفظ اعتقاد کی اس تشریح نے قصہ مین حضرت یوسفؑ کا نام ڈال دیا، ورنہ جس عورت کا ذکر ہے، اس کا نسب نامہ بتاتا ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کے عہد سے سیکڑون برس بعد گذری ہے، سنی یوسف کہنے کا مطلب صرف "نہایت سخت قحط کے ایام ہین"، جس طرح ہندوستان کی عورتین فقر و فاقہ کے وقت کو پیغمبری وقت کہتی ہین، اسی طرح شدید قحط کے ایام کو سنی یوسف کہا جاتا تھا، "سنی یوسف" کی بجائے "ایام یوسف" ہوتا تو بھی مطلب یہی ہوتا کہ ایسا دستور عہد یوسف ہی مین تھا کبھی اور نہین تھا، لفظ اعتقاد کی اس تشریح نے حضرت یوسفؑ کے ذکر کی طرح روایت کے الفاظ مین تو نہین مگر پڑھنے والے کے تصور مین قحط کو بھی جگہ دے رکھی ہے، لیکن کتبہ مین قحط کا ذکر کہین نہین ہے، جس کا ترجمہ لم تجد کیا گیا ہو، وہ ہے،

قد وسنه لی

یقیناً اُس نے واسن پایا اس کو میرے لئے

"میرے لئے" کے الفاظ بتاتے ہین کہ خاص کر دیباجہ بنت نوف کے لئے آٹا "واسن" تھا، سب کیلئے نہین "قد وسنه" کا صحیح ترجمہ لم یجد کی بجائے قد وجد کا واسنا" ہے، صاحب صراح نے لکھا ہے:-

وسن الرجل غشی علیه من | یعنی آدمی کنوئین کی بدبو سے بیہوش
نتن البئر مثل آسن" | ہوجائے تو کہا جائے گا "وسن" جس طرح
 | کہا جاتا ہے اسن،

اس سے معلوم ہوا کہ آمن اور وثن دونون کے معنی بدبو تھے، بدبودار پانی کو عربی میں داسن آسن اور آجن کہا جاتا ہے، دیباجہ کے خادم کو آنا ملا تھا، مگر بدبودار،

اس کتبہ مین جس عورت کا نام ہے وہ تاجہ نہین، تو دیباجہ ضرور تھی، یہ نام کتبہ کا عہد بتانے کے لئے کافی ہین، دونون نام ہین فارسی، اس لئے اس کتبہ کا زمانہ وہ قرار دینا چاہئے، جب کہ ایرانی تاجدارون کا طوطی بولتا تھا،

دیباجہ یا تاجہ کے باپ کا نام پادری صاحب کی منقولہ عبارت مین ذوشنفر ہے، اکلیل مین ذوسفر چھپا ہے، شمس العلوم مین ذوشقر ہے، لیکن ایک کتبہ کا عکس میرے سامنے ہی، جسے مین نے ابھی حل نہین کیا ہے، اس مین یہ نام ذوسقر ہے، سقر کے معنی ہین آگ قرآن پاک کی بدولت اب تو ذوسقر کا مطلب جہنمی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنا نام جہنمی نہین رکھ سکتا تھا، یہ کتبہ ایسے زمانہ کا ہے جب ایران کی مجوسیت نے یمن مین قدم جما رکھا تھا، اور آتش پرستی رائج ہو چکی تھی ذوسقر آتش خانہ کا رئیس تھا،

عام طور پر مورخین کو یہی معلوم ہے کہ ایران کا اثر یمن پر ظہور اسلام سے دس بارہ برس پہلے پڑا، لیکن کتبات یمن سے غفلت کا نتیجہ یہ خیال ہے،

دو سطری کتبہ کے بائین حاشیہ پر چھٹی اور ساتوین سطر کے سامنے حسب ذیل نقوش ہین، ⊓۲×

یہ ایک مہمل لفظ ہے، لیکن نبو سام مین نامعلوم زمانہ سے حروف کو اعداد اور برسون کے عددی اسماء کی طرح استعمال کرنے کا رواج تھا، ×۲⊓ کو تہتک ۲۴۵ پڑھنا چاہئے، کاف کے نیچے گول گول جو نقطے ہین، وہ عربی عقد انامل کی دسوین گرہ کی شکلین ہین، عربون نے عشراتی طریق حساب کو ایجاد کیا، تو اسے اکائی کے دائین رکھ کر (اکائی × ۱۰) کا مرادف بنا دیا، اور لامحدود حد تک

گنتیان لکھنے کا سہل طریقہ رائج کر دیا، نبتی مین ٥٥ کے معنی ۲۰ ہین، اور ٥ کے معنی بیس، مگر عربون کے نزدیک عشراتی طریق کے رواج سے پہلے ٥ کے معنی ۱۰ تھے، اور ٥٥ کے معنی ۲۰، اس لئے ×۲⊓ کے معنی ہوئے ۳۴۵ھ حمیری یہ کتبہ یا کتبہ کے اندر مذکور واقعہ کا سال ہے، حمیری سن کی ابتدا ۱۱۵ ق م سے ہوتی ہے، اس لئے دو سطری کتبہ کا زمانہ ۳۳۰ء اور تین سطر والے مختصر کتبہ حصن غراب کا زمانہ اس سے کچھ پہلے اور دیباجہ یا تاجہ کا زمانہ اس کے کچھ عرصہ بعد ہونا چاہئے،

"خاندان ذومراثد کا نسب نامہ نشوان کی شمس العلوم سے نقل کیا جاتا ہے، نشوان خود کو اسی خاندان کا بتاتا ہی،

بریل ذوسحر

شرحبیل — مرثد ایفع — حسان ذومراثد

۳۳۰ء ذوشرح (کتبہ نمبر ۲ حصن غراب) — نوف ذوسقر

ہدہاد — دیباجہ یا تاجہ

۳۴۵ء بلقیس

یمن مین بلقیس نام کی کئی خاتونین گذری ہین، سب کو ایک مین ملا کر قصہ گویون نے ہر بلقیس کو عہد سلیمان کی بلقیس بنا دیا ہے، نشوان نے بھی اسے عہد سلیمان کی بلقیس قرار دیا ہے، لیکن ایک بلقیس وہ تھی جس کے باپ ہدہاد کو ۳۴۰ء مین حبش کے نجاشی علی اسکندر ی نے اور ۳۴۵ء مین علی عمیدہ نے شکست دی، جس کے بعد ایزاناس نجاشی ہوا، جس کا ایک کتبہ پڑھا جا چکا ہے، جس مین وہ خود کو حبش کے علاوہ یمن کا بھی بادشاہ بتاتا ہے، (تاریخ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان وارض القرآن)

اکلیل مین دیباجہ یا تاجہ بنت ذوسفر کی پھوپھی کا بھی ایک کتبہ مذکور ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے،

انا شمعه بنت ذی مراثد کنکُ اذا

میں شمعہ بنت ذی مراثد ہوتی تھی جب

دحمک ادل فالقشم من ارض

پیٹ سے لایا جاتا۔ خریف کا میوہ زمین

الھند بطله زاھدا

ہند سے مزے کا تازہ (ابیل ص ۱۹۲/۲)

مشکل الفاظ کی تشریح ہمدانی نے خود کر دی ہے،

پھوپھی کا یہ حال تھا، بھتیجی کا یہ حال ہوا کہ موتی لے کر لونڈی آٹا خریدنے گئی مگر

خذ وسنه لی

یقیناً بدبودار پایا میرے لئے

ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال کا جواب وہ سطری کتبہ کا مضمون دے گا،

ارض القرآن حصہ اوّل

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ، اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے،

ضخامت ۴۴۴ صفحے قیمت ہے

"منیجر"

ادبیات

درسِ حیات

از

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

ستم وہ نازک مزاج نکہت جو پھولوں کی گود میں پلی ہے
اسی کو موجِ ہوا چمن سے اٹھا کے زنجیر لے گئی ہے

اگر صداقت کے ساتھ اٹھو تو نظمِ نو سے مجھے خوشی ہے
کہ میری تہذیب زندگی کے ہر ایک سانچے میں ڈھل گئی ہے

ذرا سنبھل جائے موجِ مغرور جس کی رفتار میں کجی ہے
کہ ایک مدت کی تند آندھی مرے سفینے میں سو رہی ہے

وہی حقیقت سے باخبر ہے وہی علمدارِ زندگی ہے
جو وقت کے ساتھ ساتھ بھی ہے جو وقت پر سخت گیر بھی ہے

یہ وقت کا انتقام بھی ہے یہ زندگی کا پیام بھی ہے
کہ آج خسرو کے سر کی ٹوپی کلاہ مزدور بن گئی ہے

نہ ہوگا طوفانِ ابر و باراں کو سرد بازارِ رنگ و نکہت اگر
کہ آتشِ گل تری حرارت چمن کے سینے میں آج بھی ہے

خودی کا اپنی جو لے سہارا تو ہر وہ تنکا بھی ہم کو پیارا
ہے جس پہ یہ راز آشکارا کہ ہر بلا طلسمِ زندگی ہے

فضا معطر ہوئی تو کیا جب چمن کی مٹی کو بو نہ بخشی
کہ شاخِ گل تیری تپتی زمین کے خون سے بنی ہے

کئے جو شبنم نے جھک کے سجدے تو پائی پرواز کی بلندی
جو گرم سورج نے سر اٹھایا تو ہر کرن منہ کے بل گری ہے

ٹھہر کہ اے چاند جس نے بخشا ہے تجھ کو محبوبیت کا رتبہ
اسی پرندے کے آشیاں سے دور تر تیری چاندنی ہے

بہم جو سرگوشیوں میں پیہم ہیں راز کی باتیں چپکے چپکے
حریف کو ہو رہا ہے دھوکا کہ اپنی آواز دب گئی ہے

تری تباہی ہے موت کا خوف رشتۂ ایمان کھو دیا ہے
تری دعاؤں کی جنبش لب سے موت بالیں سے پھر گئی ہے

سحر کے دیوانے جھومتے ہیں کہ صبح کا قافلہ ہے نزدیک — مگر ستارے سکوت میں ہیں کہ چاندنی رات ڈھل رہی ہے

فلک سے کہدو کہ آشیان کے قریب اب بجلیاں نہ آئیں — کہ ایک خوابیدہ نوجوانی چمن میں کروٹ بدل رہی ہے

چلو اگر سیر گلستان کو تو دیدۂ امتیاز بھی ہو — بہار بھی شانہ کر رہی ہے خزاں بھی گیسو سنوارتی ہے

حجاز کے میر کارواں نے شفیق کو داد دی یہ کہکر

کہ اس حدی خواں نے لے نہ بدلی ہزار منزل بدل گئی ہے

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمن صاحب ایم۔ اے۔ آرہ

قلب و نظر کو دے جلا تیغ خودی کو تیز کر — گوشۂ عافیت سے اٹھ جرأت رستخیز کر

کوس رحیل بج چکا گرم سفر ہے قافلہ — تو جو تھکا رہیں تو کیا اور قدم کو تیز کر

قلب حقیقت آشنا فکر مجاز تا کجا — چھوڑ در بتان کو چھوڑ سوے حرم گریز کر

خطرے میں گر ہے بوستان زد پہ اگر ہے آشیان — برق و شرر سے ڈر نہ جا حوصلہ ستیز کر

زیست کا لطف کیا ولی گر نہ ہو سوز عاشقی

قلب و جگر کو گرم تپان چشم کو اشک ریز کر

مطبوعات جدیدہ

تاریخ انقلاب عالم جلد اول مؤلفہ جناب سید ابو سعید صاحب بزمی تقطیع بڑی ضخامت ۴۵۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دس روپیے، پتہ:- کتاب منزل کشمیری بازار لاہور۔

انسانی تاریخ کے آغاز سے اس وقت تک دنیا میں خیر و شر، تعمیر و تخریب، روحانیت و مادیت اور اخلاق و نفس پرستی کی کشمکش برابر جاری ہے، اور دنیا کے سارے مذہبی و اخلاقی، سیاسی و معاشی، عمرانی و سماجی انقلابات اسی کا نتیجہ ہیں، شر کی طاقتین اپنے جاہ و اقتدار اور ہوا و ہوس کے لئے انسانی الوہیت، طبقاتی تقسیم، بلند و پست، حاکم و محکوم، ملوکیت و بادشاہت، جمہوریت و آمریت، قومیت و وطنیت، اقتصادیات و معاشیات حتی کہ غلط مذہب تک کے پھندے بناتی رہیں، اس کی اصلاح کے لئے انبیاء و رسل، صلحاء و اخیار اور مفکرین و مصلحین سچی خداشناسی، اخلاق و روحانیت اور انسانی اخوت و مساوات کا درس دیتے رہے، دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابات خیر و شر کی اسی کشمکش کا نتیجہ ہیں، اردو میں قوموں اور ملکوں کی تاریخوں کی کمی نہیں لیکن مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے دنیا کے انقلابات، انکے اسباب اور اثرات و نتائج پر کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، زیر نظر کتاب اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے، اس میں لائق مولف نے انسانی تاریخ کے آغاز یعنی اس دور سے جب انسان مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا، اور دنیاوی بادشاہ خدائی کے مدعی تھے، خیر و شر کی پہلی کشمکش ہابیل و قابیل کی جنگ سے اس دور کی ہابیلی و قابیلی کشمکش، گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک عرب، عراق، شام، فلسطین، مصر، ترکی، ایران، افغانستان، طرابلس، مراکش، تونس، فرانس، جرمنی، اٹلی، روس اور اسپین وغیرہ کے پرانے مذہبی و سیاسی نظاموں، ان کے مذموم اثرات، انبیاء علیہم السلام اور مفکرین و مصلحین کی

تعلیمات کے انقلاب انگیز نتائج، یورپ کے قرون مظلمہ کے حالات، اسلام کا ظہور اس کے عالمگیر اثرات یورپ کی نشأۃ ثانیہ، نئے علمی افکار و تصورات، صنعتی دور کا آغاز، موجودہ دور کے سیاسی و معاشی نظریات وغیرہ کے اسباب و علل اور اُن کے اثرات و نتائج کی پوری تفصیل بیان کی ہے، جس سے دنیا کے انقلابات کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، اردو مین اس موضوع پر یہ پہلی جامع کتاب ہے، اور اپنے مفید معلومات کے لحاظ سے ہر پڑھے لکھے شخص کے مطالعہ کے لائق ہے، طرز تحریر دلکش اور انشا پردازانہ ہے، اس کی دوسری جلد مین انگلستان، امریکہ، اسٹریلیا، جاپان، چین، انڈونیشیا، فلپائن، انڈوچائنا، سیام، ملایا، وسطی و جنوبی افریقہ اور ہندوستان و پاکستان کے حالات اور جنگ عظیم کے بعد کے انقلابات کی تفصیل ہوگی،

اسلام کے عالمگیر اصول مترجمہ جناب سید احمد حسن صاحب نقوی تقطیع اوسط، ضخامت ۲۶۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ، پتہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

موجودہ زمانہ مین مذاہب کی صحت و صداقت کو بھی علم سائنس کی روشنی مین جانچا جاتا ہے، اگرچہ ان دونون کے دائرے الگ الگ ہین، اور سائنس کے بہت سے نظریات قطعی اور یقینی نہین، اور وہ برابر بدلتے رہتے ہین، اس لئے اُن کو مذہب کی صحت کا معیار بنانا صحیح نہین ہے، لیکن زمانہ کے مذاق کو نہین بدلا جاسکتا اس لئے اس زمانہ مین وہی مذہب قائم رہے گا، جو ہر طوفان کا مقابلہ کر سکے، اور ہر دور کی ضروریات و مشکلات کا حل پیش کر سکے، جس سے اکثر مذاہب اسلئے قاصر ہین کہ اُن کی تعلیمات وقتی اور محدود ہین، اور وہ بھی زمانہ کے ہاتھون مسخ ہو چکی ہین، صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو دائمی اور عالمگیر ہے، اور اسکی بنیاد عالمگیر صداقتون پر ہے، اور اسکی صحیح تعلیمات اب تک محفوظ ہین، اس لئے وہ علم و سائنس کا بھی مقابلہ کر سکتا ہے، اور اسکے پاس نئے مسائل کا حل بھی ہے، مصر کے نامور اہل قلم فرید وجدی نے جو دینی علوم اور نئے فنون دونون کے فاضل اور نئے مسائل کی روشنی مین اسلامی تعلیمات کے اچھے شارح ہین، اسی نقطۂ نظر سے اسلام کے مختلف پہلوؤن پر متعدد کتابین لکھی ہین، ان مین سے ایک کتاب "الاسلام دین خالد" بھی ہے، مذکورۂ بالا

کتاب اسی کا ترجمہ ہے، اس مین دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا کوئی عقیدہ اور اسلامی شریعت کا کوئی قانون نہ صرف علم و سائنس اور صحیح عقلی مطالبات کے خلاف نہین ہے، بلکہ وہ علم و سائنس اور انسانی ترقی کا معاون ہے، اس مین زمانہ کے نئے تقاضون اور مسائل کا بھی حل ہے، اس لئے وہ انسانی ترقی کے ہر مرحلہ مین اس کی رہنمائی کر سکتا ہے، آخر مین ان اعتراضون کا جواب ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی اسلام اور جنگ و خونریزی، غلامی، حقوق نسوان، طلاق، تعداد ازدواج، توکل و فقر وغیرہ کے متعلق اسلامی تعلیمات پر کئے جاتے ہین، یہ تمام مباحث عالمانہ ہین، اور اسلامی تعلیمات کی تشریح مین ان کو مسخ نہین کیا گیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے،

پیام مشرقی از امیر ولایت علی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۵ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد :- عہ پتہ :- نمبر ۳۲۱، اعظم پورہ روبرو مدرسہ اعزہ حیدرآباد دکن،

مرتب کتاب خاکسار تحریک کے بانی اور امیر عنایت اللہ خان مشرقی کے عقیدتمندون مین ہین، مذکورۂ بالا کتاب مین انھون نے مشرقی صاحب کی تصانیف اور اُن کے مضامین اور تقریرون سے اسلامی تعلیمات کے متعلق اُن کی تشریحات اور مسلمانون کی اصلاح و ترقی کے متعلق اُن کے خیالات کے اقتباسات جمع کر دیئے ہین، کتاب کے شروع مین مشرقی صاحب کے مختصر حالات ہین، اُن کے ذہین اور صاحب علم ہونے مین شبہہ نہین، اُن کے دل مین مسلمانون کا درد بھی ہے، لیکن مذہبی علوم مین اُن کی استعداد ناقص، اور دینی بصیرت کی ان مین بڑی کمی ہے، اُن کے خیالات مین بھی اعتدال و توازن نہین ہے، اس لئے اُن کے مذہبی عقائد و خیالات مین حق و باطل اور حقیقت و خرافات دونون کی آمیزش ہے، اور انھون نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریحات کی ہین، اور مسلمانون کی تجدید اور اصلاح کی جو تدبیرین بتائی ہین، وہ اگرچہ صحت سے خالی نہین ہین، لیکن اُن کی بہت سی تشریحات خود ساختہ ہین

جن کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، اس لئے اُن مین نفع کے ساتھ ضرر کا پہلو بھی ہے، پیام مشرق بھی اسی قسم کے متضاد اور مفید و مضر خیالات کا مجموعہ ہے، مرض کے ازالہ کے لئے طریقۂ علاج کی صحت بھی ضروری ہے، ورنہ علاج ہی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے،

قرآنی قاعدہ از جناب مولوی ابو محمد مصلح صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت فی جلد ۲ر پتہ:- ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن حیدرآباد دکن،

دنیا کی بیشتر زبانون کی عبارت صحیح پڑھنے کے لئے اُن کے حروف کے مخارج، اصوات، حروف کی ترکیب کے صوتی تغیرات، حروف زائدہ وصل و فصل و وقف ابتدا و خاتمہ وغیرہ سے واقفیت ضروری ہے، عربی زبان مین اس پر اعراب کا اور اضافہ ہے، اس کے بغیر غیر عربی دان صحیح عربی عبارت نہین پڑھ سکتا، اس لئے عربی مین اعراب سے بھی واقفیت ضروری ہے، گو قرآن مجید کی صحیح قرأت کے لئے اس کی عبارت مین اعراب کے علاوہ اور بہت سی علامتین بھی ہوتی ہین، اس کے باوجود اُن کی عملی مشق کے بغیر صحیح قرأت مشکل ہے، لائق مولف نے جن کی خدمتِ قرآن محتاجِ تعارف نہین ہے، اس رسالہ مین ان تمام امور کو تحریر کر دیا ہے، جو قرآن مجید کی صحت قرأت کے لئے ضروری ہین، اس کی مشق سے ایک بچہ بھی آسانی کے ساتھ قرآن مجید کی صحیح قرأت کر سکتا ہے، اس مین قرأت و تجوید کے قواعد کے علاوہ تلاوتِ قرآن کے متعلق اور مفید باتین بھی ہین،

نماز کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کتاب | مؤلفہ جناب عبدالمنان صاحب بیدل تقطیع چھوٹی کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہین غالباً چارون رسالون کی قیمت ۸ر ہو گی، پتہ اقبال بک ڈپو بانکی پور پٹنہ،

ان چارون رسالون مین ترتیب کے ساتھ آسان زبان مین نماز کے ضروری مسائل اور اسکے فوائد تحریر کئے گئے ہین جو مسلمان بچون کے پڑھانے کے لائق ہین،

"م"